دین

و

مذہب

فہرست مضامین

دین و مذہب 425

الوداع رمضان اور استقبال عید الفطر 426

اصل مسلمان کون ہے؟ 430

فلسفۂ ہجرت 434

جب اللہ کی مدد آتی ہے 438

موجودہ صورت حال اور ہماری ذمہ داریاں 441

اسلام میں ذکر، شکر اور صبر کی فضیلت 445

اسلام میں نعت کا مقام 449

کونسا اسلام افضل ہے؟ 451

مرحبا یا رمضان المبارک 454

مذاہب کے درمیان مکالمہ، بھارت، اسرائیل اور مغرب کا مذموم کردار 457

مذاہب کے درمیان مکالمہ 464

ناموس رسالتؐ ایکٹ میں مبینہ ترمیم پر تاریخی شٹر ڈاؤن، لیکن؟ 468

پشتو زبان میں تراجمہ و تفاسیر قرآن کریم کا ایک جائزہ 472

قرآن کے سایے میں 477

رمضان المبارک، روایات و حکایات 480

رمضان، اتحاد و یکجہتی کی علامت 483

فلسفۂ حج اور اسلامی معاشرے پر اس کے اثرات 486

وقتِ دعا 487

الوداعِ رمضان اور استقبالِ عید الفطر

رمضان کا آخری عشرہ جو دوزخ سے نجات کا عشرہ ہے شروع ہو چکا ہے اور ابھی چند دن بعد عید کی تیاریاں عروج پر پہنچ جائیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ سال کے بارہ مہینوں میں خوبصورت مہینے دو ہی ہیں، ایک ربیع الأول جو نبی ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری کا مہینہ ہے اور نبی ﷺ کا اس دنیا میں ورود یقیناً دنیا کی ساری نعمتوں سے افضل ترین ہے۔ پھر رمضان المبارک دوسرا وہ مبارک وافضل مہینہ ہے جس میں آپؐ پر دنیا کا زندہ اور قیامت تک رہنے والا معجزۂ قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا۔ انسانیت کے لئے قرآن کریم سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہو سکتی کیونکہ یہی رشد و ہدایت کا وہ سرچشمہ ہے جو انسان کو دنیا میں اس کا مقصدِ تخلیق بتاتا ہے۔

اس بابرکت مہینے کے پہلے روزے کے ساتھ ہی مؤمنوں کے دلوں میں یہ احساس جاگزیں رہتا ہے کہ یہ مہمان مہینہ ہم سے بہت جلد رخصت ہونے والا ہے۔ ماہِ رمضان کی اسی حیثیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے "أيـامًا مّعدودات" [چند دنوں] سے تعبیر فرمایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رمضان کے یہ مبارک دن اتنی جلدی جلدی گزر جاتے ہیں کہ

ما لا گل بوئے کڑے نه وو بهار تیر شو ؎

کے مصداق اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندوں کے دلوں میں اس کی جدائی اور ہجران کی ٹھیس اٹھنا شروع ہو جاتی ہے۔

اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے لہٰذا یہ دنیاوی امور میں قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کے روحانی پہلوؤں کو مضبوط رکھنے کے لئے تزکیۂ نفس پر بہت زور دیتا ہے۔ تزکیہ نفس کا حصول عبادات میں تھکن اور اکتاہٹ کی بجائے لذت اور اس کے فوت ہونے یا اختتام پذیر ہونے پر ایک بے چینی سی محسوس ہونے لگے تو سمجھ جانا چاہئے کہ عبادت کا اصل مغز حاصل ہونے لگا ہے۔

رمضان کے ایام میں پنج وقتہ باجماعت نمازوں، تراویح، تلاوتِ قرآن، سحری اور افطار کے مخصوص اوقات کی وجہ سے گھروں اور مساجد میں ایک ایسا سماں بندھ جاتا ہے کہ ان کے گزرنے پر مسلمانوں کو بالکل ایک ایسی کیفیت سے گزرنے کا احساس ہوتا ہے جیسے گھروں میں کوئی محبوب مہمان آیا ہو اور پھر اس کے

رخصت ہونے پر دل دھک دھک کر رہا ہو۔

کسی بھی مسلمان کو سال کے بارہ مہینوں میں رمضان کے اوقات سے زیادہ روح پرور لمحات کا نصیب ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ رمضان المبارک سے محبت کرنے والے لوگ اس مہینے کے پایۂ تکمیل کی طرف روانگی پر پشتو کے اس مشہور حزنیہ اشعار کے کا مجسمہ ہوتے ہیں۔

پہ راتلوئے خوشحالی وہ اوس پہ تلوئے

حہ عجیبہ ھکلہ میاشت وہ د رمض

میرا اپنا تجربہ تو یہ ہے کہ جونہی رمضان آخری عشرے میں داخل ہوجاتا ہے میں اس کے ایک ایک لمحے کو اس طرح بتانا شروع کر دیتا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ یہ اس مبارک ماہ کے ساتھ آخری ملاقات ہو۔ کیا معلوم کہ اگلے سال کون رہے گا اور کون راہیٔ عدم ہو چکا ہوگا۔

رمضان کے آخری ایام میں گھر کے ان جگہوں پر جہاں سحری وافطار ہوتے ہیں جب نظر پڑتی ہے تو مجھے وہ بہت محزون ومغموم لگتے ہیں اور خدا گواہ ہے کہ میرا دل خود بھی ہجر کے ان صدمات سے گزرتا ہے جو کسی بہت قریبی عزیز کے جدا ہونے پر محسوس ہوتے ہیں۔

یہ بات عین فطرت کے مطابق ہے کہ قیمتی چیز کے گم ہوجانے، یا جدا ہوجانے پر انسان دلگیری وغم محسوس کرتا ہے۔ نبی ﷺ مدینہ منورہ میں جب ابھی مسجد نبویؐ میں منبر نہیں بنا تھا تو کھجور کے درخت کے ایک تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر جمعے کا خطبہ دیا کرتے تھے۔ منبر بننے کے بعد جب آپؐ منبر پر تشریف فرما ہوئے تو کھجور کے اس تنے کی ہچکیاں آپ ﷺ نے سن لیں۔ وہ بظاہر بے جان تنا آپ ﷺ کے مبارک جسم کی مُشک بولس کی جدائی پر مغموم ودلگیر تھا۔ انسان تو پھر انس سے نکل کر مانوسیت کا عرق لئے ہوئے ہوتا ہے لہٰذا جہاں کہیں محبت اور عقیدت کے چند دن گزار لیتا ہے تو وہاں سے جدا ہونے پر غم واندوہ کا احساس لئے ہوئے رخصت ہوتا ہے۔ جدائی اور ہجر کا یہ احساس انسان کو حزیں بنانے کے ساتھ ساتھ توانا بھی رکھتا ہے کیونکہ یہ اسے اس محبوب چیز کی یاد سے غافل نہیں ہونے دیتا۔ اندلس کے پہلے مسلمان فرمانروا عبدالرحمٰن اول نے ملک شام کی گھٹلی کے کھجور کے سامنے کھڑے ہوکر اپنے وطن کی یاد اور کھجور کے درخت کی بلادِ عرب سے جدائی کے احساس کے تحت جو اشعار کہتے تھے، ان کا علامہ اقبالؒ نے جن پر درد الفاظ میں ترجمہ کر کے پیش کیا ہے، یہ یاد دلانے کے

لئے کافی ہے کہ انسان روحانی طور پر ہجر وفراقت کے لمحات میں کن روحانی مراحل سے گزر کر قوت حاصل کرسکتا ہے۔ کھجور کے درخت کو مخاطب کر کے کہتا ہے:۔

میری آنکھوں کا نور ہے تو میرے دل کا سرور ہے تو
اپنی وادی سے دور ہوں میں میرے لئے نخلِ طور ہے تو
پردیس میں ناصبور ہوں میں پردیس میں ناصبور ہے تو

لیکن پھر ایمانی قوت کے تحت جدائی کے درد وکرب پر قابو پاتے ہوئے پکار اٹھتا ہے:۔

مؤمن کے جہاں کی حد نہیں ہے
مؤمن کا مقام ہر کہیں ہے

اسی طرح علامہ اقبالؒ جب قرطبہ کی مسجد میں آیا تو انہیں وہاں مسلمانوں کی سطوت گذشتہ کی یادوں نے خوب ستا کر یہ کہنے پر مجبور کیا۔

ہسپانیہ تو خونِ مسلمان کا امین ہے
مانندِ حرم پاک ہے تو میری نظر میں
پوشیدہ تیری خاک میں سجدوں کے نشان ہیں
خاموش اذانیں ہیں تیری بادِ سحر میں

رمضان المبارک کے گزرنے کے بعد ہمیں چاہئے کہ رمضان کے پیغام کو اپنی زندگی پر اس طرح لاگو کردیں کہ یہ نیکی کی قوت سے بدل جائے اور سال کے آئندہ گیارہ مہینے ہم اسی مبارک مہینے کے سحر ہی میں رہیں۔

انتیس یا تیس روزوں کی تکمیل پر مسلمانانِ عالم عید الفطر کی خوشیاں مناتے ہیں۔ یقیناً ہر وہ مسلمان جسے اللہ تعالیٰ رمضان کے روزے رکھنے کی توفیق عطا فرمائی ہو، اسے حق ہے کہ غرّ ہٗ شوال دیکھنے پر عید کی خوشیاں منائیں لیکن یاد رکھئے کہ عید کی سچی اور شرعی خوشیاں وہی ہوسکتی ہیں جن کی اجازت جناب رسول اللہ ﷺ نے دی ہے عید کی بڑی خوشی یہ ہے کہ مسلمان عید کی صبح اللہ کے حضور سجدۂ تشکر کی بجا آوری کے لئے دوگانہ پڑھنے کے لئے عیدگاہ میں خشوع وخضوع سے حاضر ہوں۔ نبی ﷺ نے عید کی نماز میں شمولیت مسلمانوں کے لئے واجب قرار دی ہے۔ دراصل صلوٰۃ عید مسلمانوں کی شان وشوکت کی علامت ہوتی ہے۔ اس لئے آپؐ

نے اس کو مساجد کی بجائے کھلی جگہوں میں پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اللہ کرے کہ ہماری عیدیں شکوہِ ملک ودین ثابت ہوں۔ ورنہ آج تو حالات ایک دفعہ پھر ویسے ہی دکھائی دیتے ہیں جیسا کہ آج سے ستر سال پہلے علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا۔ ؎

عید آزاداں شکوہِ ملک ودین
عید محکوماں ہجومِ مؤمنین

اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں آزاد لوگوں کی طرح عید منانا نصیب ہو اور آزاد لوگوں کی عید منانے کی نشانی یہ ہے کہ وہ ہر اس کام سے گریز کرتے ہیں جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہ ہو اور شریعت میں کم از کم ہوائی فائرنگ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ یہ جہاں ایک طرف اسراف ہے دوسری طرف یہ عید کے دن ہی کسی کی خوشیوں کو غم میں بدلنے کا سبب بھی بن سکتا ہے۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ جس ذات کریم کے حکم پر ایک مہینہ مسلسل روزے رکھتے ہیں اسی کے حکم کو مدنظر رکھ ہوائی فائرنگ، جوا، انڈے لڑانا اور اس مبارک دن کو فضولیات میں گزارنے سے سختی کے ساتھ گریز کرنا چاہئے۔

اللہ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

☆......☆......☆

اصل مسلمان کون ہے؟

کوئی اِسلام کے سارے عقائد اور ارکان کا نچوڑ پیش کرنا چاہے تو عبادات کا درجہ سب پہلے آتا ہے۔ اگر کوئی اللہ و رسول ﷺ پر دِل کی گہرائیوں سے عین الیقین کی حد تک ایمان رکھنے کا دعویدار ہے تو اس دعویٰ کا تقاضا اور عملی مظہر اور پہچان یہ ہے کہ ایسا شخص ارکانِ اِسلام، کلمہ طیبہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج پر سختی سے کاربند ہوگا۔ ارکانِ اِسلام پر سختی سے کاربند ہونے کی علامت یہ ہے کہ اِن عباداتِ مفروضہ کا جو ثمرہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مطلوب ہے، وہ اِنسان کی اِنفرادی اور اِجتماعی زندگی میں نظر آئے۔

اَب ذرا غور کریں کہ ایک مسلمان پانچ وقت نماز پڑھتا ہے، لیکن نماز کے ادنیٰ تقاضے پورے نہیں کرتا تو ایسی نماز پر وہ درجات اور ثمرات کبھی نہیں مل سکتے جس کے بارے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ نماز کا ادنیٰ ترین تقاضا یہ ہے کہ مسلمان شخص صفائی پسند ہوگا کیونکہ نماز کے لئے ایمان کا اِقرار کرنے کے بعد پہلی شرط یہ ہے کہ اِنسان ظاہری اور باطنی طور پر صاف ہو، جسم کپڑوں اور جگہ کی صفائی کے ساتھ ساتھ اِنسان کے افکار و خیالات، ذہن اور سوچ بھی پاک ہونی چاہئے کیونکہ نماز کے ذریعے اِنسان اللہ تعالیٰ جیسی پاک و سبحان ذات کے سامنے اس کے پاک گھر میں روبرو حاضر ہوتا ہے۔ نماز میں ایک اِمام کی تکبیر پر قیام، رکوع و سجدہ، کیا مسلمانوں کے امیر، قائد اور سربراہِ حکومت کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اتحاد و اتفاق اور ایک دوسرے کی عزت و احترام کا درس نہیں دیتا؟ اگر نماز کے ذریعے ہم سیدھی راہ [صراطِ مستقیم] نہیں اپنا سکتے، اگر ہم نماز کے ذریعے بے حیائی اور بُرے کاموں سے نہیں رک سکتے، اگر نماز ہمیں حلال کمائی اور کھانے کی طرف مائل نہیں کرسکتی اور صبح کی نماز کے بعد ظہر اور ظہر سے عشاء تک کی نمازوں کے درمیان ہمارے اخلاقیات اور معاملات میں ہماری نمازوں کی جھلک نظر نہیں آتی تو نماز کے وہ مقاصد پورے نہیں ہوتے جو معاشرتی اقدار کی ترقی اور اِستحکام کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔

رمضان المبارک کے روزے اگر اللہ تعالیٰ سے اِنسان کے اس تعلق کو مضبوط نہیں کرتے کہ میں کہیں بھی کوئی اچھائی یا برائی کروں تو اللہ تعالیٰ کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ اور اس کے نتیجے میں ہم خفیہ اور اعلانیہ ناپسندیدہ کاموں سے باز نہیں آسکتے تو شاید روزہ رکھنے سے فرض کی ادائیگی ہوجائے لیکن معاشرے پر ماہِ

رمضان کے وہ خوشگوار اثرات کبھی مرتب نہیں ہوں گے جس سے معاشرے کے افراد کے درمیان تحمل، برداشت، صبر اور ایثار کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ رمضان کے روزوں کی بھوک، پیاس مسلمانوں کو سخت اور مشکل اوقات میں صبر کا دامن تھامے رکھنے کی تلقین کرتا ہے۔

اگر کسی مسلمان معاشرے میں زکوٰۃ کی صحیح معنوں میں ادائیگی اور تقسیم کو ممکن بنایا جائے تو اِس بات کی سو فیصد ضمانت دی جاسکتی ہے کہ وہاں کوئی انسان بھوکا نہیں سوئے گا۔ زکوٰۃ وہ آدمی دے سکتا ہے جس کی کمائی حلال ہو، حرام کمائی والا نہ زکوٰۃ دیتا ہے اور نہ ہی حرام کمائی سے زکوٰۃ عنداللہ قبول ہوتی ہے۔ اللہ پاک ہے اور پاک وطیب چیزوں کو پسند کرتا ہے۔ حرام و گندی کمائی کرنے والے کے دِل میں اللہ و رسولؐ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کا جذبہ اور لگن پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور مومن کے پاک دِل میں قیام کرتا ہے اور اس کے قیام و وجود کے ذریعے مومن کو نیک اعمال کی ترغیب و تحریض ملتی ہے۔

جس معاشرے میں زکوٰۃ کی ادائیگی ہوتی ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ وہاں بارشیں وقت پر ہوتی ہیں۔ قحط سالی نہیں آتی اور اِنسانوں اور دیگر جانداروں کو فراخ رزق ملتا ہے۔ لوگ دولت کو مقصدِ حیات نہیں صرف ذریعۂ حیات سمجھتے ہیں جس کے نتیجے میں افراط زر اور جلبِ زر سے معاشرہ پاک رہتا ہے اور لوگوں کے درمیان دولت کیلئے حرص، کینہ، مسابقت اور اِس کے نتیجے میں قتل و غارت گری کبھی نہیں ہوتی۔ معاشرہ صبر، قناعت اور ایثار کے بہترین اصولوں پر بہت ہموار رفتار کے ساتھ رواں دواں رہتا ہے۔

کسی مسلمان معاشرے میں نظامِ زکوٰۃ کی موجودگی جسم میں خون کی موجودگی کی طرح اہم ہے کیونکہ اِس کے ذریعے معاشرے میں امیر و غریب کے درمیان نفرت و اِنتقام کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔ امیر لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی سے غرباء کا حق ادا کرتے ہیں۔ غرباء کو حق ملتا ہے تو وہ امراء کیلئے دِل میں احترام و محبت کے جذبات رکھتے ہیں ورنہ دوسری صورت میں طبقاتی کشمکش کے ذریعے تصادم اور ٹکراؤ کی نوبت آتی ہے جس سے خونین انقلاب جنم لیتے ہیں۔ انقلابِ فرانس، سویت یونین اور ایران کے پیچھے یہی بنیادی عنصر کارِفرما تھا۔

حج کی ادائیگی مسلمانانِ عالم کے درمیان کے نسل، زبان، جغرافیہ اور رنگ ولباس کے تغیر و اختلاف کے باوجود چند دِنوں کیلئے سارے اختلافات بھلا کر ایک ہی لباس [احرام] ایک ہی زبان [لبیک اللھم لبیک] اور ایک ہی اللہ کے گھر خانہ کعبہ کے گرد حصار میں لے کر مسلمانوں کے ایک ہونے اور ایک ہی اللہ کے بندے

ہونے کا اقرار کرواتی ہے۔

یہ دنیا میں انسانوں کا وہ عظیم سالانہ اجتماع ہوتا ہے جو دنیا کی کسی اور قوم کو میسر نہیں۔ دنیا کی چند دیگر اقوام نے اِس کے طرز اپنی عوام کو جمع کرنے کی کوشش بھی کی لیکن حج جیسے اجتماع کیلیے جس نیت، جذبے، اور اطاعت الٰہی کی ضرورت ہوتی ہے، وہ کسی اور کے پاس کہاں ہے۔ لہٰذا اِس عظیم رکنِ اسلام کے ذریعے مسلمانوں کو عبادت کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے حال احوال بھی معلوم ہوتے ہیں۔ اِسی اجتماع کو مسلمان ملکوں کے سربراہوں، وزراء اور دیگر عمائدینِ حکومت کے درمیان ضروری اجلاسوں، ملاقاتوں میں بھی تبدیل کیا جا سکتا ہے جس سے ایک تو پابندی کے ساتھ سالانہ ملاقاتیں ممکن ہوسکتی ہیں اِس کے علاوہ تعلیم، تجارت اور دیگر ضروری امور کے لئے صلاح ومشورہ کے ساتھ عملی اقدامات بھی تجویز کئے جاسکتے ہیں۔

اِن ساری عبادات کا ماحصل اگر انسان کے اخلاقیات اور معاملات کی بہترین صورت میں سامنے نہیں آتا اور مسلمانانِ عالم اتنے بہترین عقائد وعبادات کے دعویدار ہونے کے باوجود زندگی کے روزمرہ کے معاملات میں وہ بنیادی اصول نہیں اپناتے تو یہ ایک عادت، روٹین یا دین کو زندگی کے معاملات سے الگ تھلگ ایک مشق وایکسرسائز سے کچھ زیادہ سودمند شاید ثابت نہ ہوسکیں۔

اگر اتنی عظیم عبادات کی ادائیگی کے بعد ہمارے معاشرے میں صداقت اور امانت جیسے اقدار سرایت نہیں کرتے، اگر اِن عبادات کے ذریعے صفائی جیسی ضروری چیز ہمارے گھروں، محلے، دفاتر، سڑکوں، پارکوں میں نظر نہیں آتی۔ اگر نماز ہمیں اتنا نہیں سکھاتی کہ حلال، حلال ہے اور حرام، حرام۔ اگر نماز پڑھ کر اور حج ادا کر کے بھی ہم کرپشن سے باز نہیں آسکتے، تو پھر وہ امریکی ٹھیک ہی کہہ رہا تھا کہ دین کے دعویدار تو آپ مسلمان ہی ہیں لیکن آپ کے دین پر عمل ہمارے ہاں ہوتا ہے۔ وہ بتا رہا تھا کہ آپ کے دین میں صفائی کی تلقین کا اندازہ آپ لوگوں کے رسول ﷺ کے اِس مبارک قول سے ہوتا ہے کہ صفائی ایمان کا حصّہ ہے اور آیئے! ہمارے ہاں امریکہ اور مغرب میں دیکھیں کہ صفائی کا کیا معیار ہے اور پھر ذرا اپنے ہاں بھی گھروں، محلوں اور شہروں کے درمیان گندگی کے ڈھیر ملاحظہ کیجئے، کیا کِسی طور بھی اِس کا اِسلامی تعلیمات سے کوئی تعلق بن سکتا ہے؟

حرام کمائی اور کرپشن آپ ہی کے دین میں سب سے زیادہ ممنوع ہے جبکہ حال یہ ہے کہ مسلمان ممالک اکثر وبیشتر کرپشن کے لحاظ سے سرِفہرست ہوتے ہیں۔ نظم وضبط آپ ہی کے دین کا بنیادی سبق ہے لیکن سب

سے غیر منظّم اور انتشار کے شکار معاشرے مسلمانوں ہی کے ہوتے ہیں۔

کیا اب بھی ہم اِسلام کے اِن زریں اصولوں کو اپنی زندگی اور معاشرے میں رو بہ عمل لانے کی فکر نہیں کرینگے جبکہ حال یہ ہے کہ ہماری قومی زندگی کو اِن صفات کے فقدان کی بناء پر سخت خطرات درپیش ہیں؟ اگر ہم آج بھی انفرادی سطح پر یہ عزمِ صمیم کرلیں کہ ہمیں نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے دو بنیادی صفات "صادق اور آمین" ہونے کو اپنائیں گے تو ہمارے سارے معاملات آج بھی سدھر کر ہم ایک کامیاب قوم کی صورت میں ابھر سکتے ہیں۔ اللہ کرے کہ ایسا ہو جائے۔ آمین

☆......☆......☆

فلسفۂ ہجرت

انسانی تاریخ میں اقوام اور قبائل کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا چلا آرہا ہے۔ معلوم تاریخ کے مطابق انسان اپنے آبائی اوطان سے مختلف مقاصد یا مجبوریوں کے تحت کرۂ ارض کے مختلف حصوں میں آباد ہوتے رہے ہیں لیکن ہجرت جب بھی ہوئی ہے اور جہاں بھی ہوئی ہے، انسانی معاشروں پر اس کے بہت گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

ہجرت جب بھی ہوتی ہے اس کے پیچھے جابروں، غاصبوں کی سینہ زوری، مظلوموں اور مقہوروں کی بیچارگی اور بے بسی کا عنصر ضرور کارفرما رہا ہے۔ کرۂ ارض کے مختلف علاقوں میں انسانی آبادی کے پھیلنے کے پیچھے بھی ہجرت کا یہی فلسفہ کارفرما ہے۔ اس لحاظ سے انسان گویا خانہ بدوش ہے البتہ اس میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بعض اوقات انسان اپنے موجودہ حالات سے بہتر حالات و مواقع کے حصول کے لئے ہجرت کرتا ہے اور بعض اوقات حالات کے جبر کے تحت نامعلوم حالات اور منزل کی طرف اسے رواں ہونا پڑتا ہے، لیکن یہ بات ہر ہجرت سے ثابت ہے کہ انسان کو جب بھی اس سے واسطہ پڑا ہے اسے معاشرتی، سماجی اور نفسیاتی مسائل سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

صدیوں اور مدّتوں سے آباد جنم بھومیوں کو حالات کے جبر کے تحت چھوڑ کر بے نام منزلوں کا رخ کرنا انسانی تاریخ کے تلخ ترین اور المناک لمحات ہوتے ہیں۔ کیونکہ عموماً ہجرت کرنے والے مہاجرین کو بھوک پیاس برداشت کرتے ہوئے سینکڑوں میلوں کا فاصلہ اپنے معصوم، چھوٹے اور شیر خوار بچوں کو اپنی ماؤں کے ساتھ جانوں کی حفاظت کی غرض سے نکالنا دلوں پر چھریاں پھیرنے کے مترادف ہوتا ہے۔

لیکن ناطقۂ سر بہ گریباں کے مصداق اسے کیا کہئے کہ انسان خود اپنی ہی جنس کے ہاتھوں ہمیشہ ایسے حالات سے دوچار ہوتا رہا ہے اور یہ اس لئے ہوتا رہا ہے کہ بعض جابر اور طاقتور اقوام اور قبائل کمزور اور لاچار اور بے بس اقوام کے وسائل پر قبضہ کرنے کی غرض سے حملہ آور ہوتے ہیں۔

انسانی تاریخ میں سرسبز وادیوں، پانی کے چشموں اور دریاؤں کے ڈیلٹائی زرخیز زمینوں اور زرخیز و سرسبز چراگاہوں پر قبضہ کرنے کے لئے کتنی بار طاقتور اور جابر و ظالم اقوام و قبائل نے ان علاقوں میں جنم جنم سے آباد

قبائل کو نہ صرف وہاں سے ہجرت پر مجبور کیا بلکہ مہجور قبائل کو نا قابل تلافی نقصانات سے بھی دوچار کیا۔ انسان کی اسی جبلتِ زر وزمین کے زیر اثر دنیا کا کوئی خطہ ہجرت کے اثرات سے خالی نہیں۔ لیکن یہ اسلام کا کمال ہے کہ ہجرت کو افضل ترین عبادت میں تبدیل کر دیا۔ غیر اسلامی دنیا میں جب بھی ہجرت ہوئی ہے اس کے نتیجے میں انسانیت کو ہر قسم کے استحصال کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ہجرت اگر جنگ عظیم اول اور دوم کی وجہ سے یورپ کے ایک خطے سے دوسرے خطے میں ہوئی ہے یا ۱۹۱۷ء میں وسطی ایشیاء کے مسلمان خطوں سے اشتراکی روس کے ہاتھوں ہوئی ہے، انسانیت کو نا قابل تلافی و نا قابل برداشت چرکے لگے ہیں۔ لیکن اسلام وہ دین متین ہے کہ اس کی مقدس اور انسانیت کے لئے نفع بخش تعلیمات نے ہجرت کو عبادت بنا کر جائز قرار دیا ہے۔ مکۃ المکرّمۃ میں کفارِ مکہ کے ہاتھوں تنگ آئے مسلمانوں کو نبی آخر الزماں ﷺ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت عطا فرمائی تو دیگر کئی صحابہ کرامؓ کے علاوہ آپؐ کی لختِ جگر حضرت رقیہؓ بھی اپنے خاوند حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ عازم ہجرت ہوئی تو فرمایا کہ ’’ہجرت لوط علیہ السلام کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جو دین اسلام کی لئے ہجرت کی راہوں پر روانہ ہوا ہے۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے نوزائیدہ اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی پُر صعوبت سفر کے بعد مکہ المکرّمہ کی وادئ غیر ذی زرع میں اس وقت پڑاؤ ڈالا تو وہاں نہ سبزہ تھا نہ پانی اور نہ وہاں کوئی پرندہ تک پایا جاتا تھا۔ اس اولوالعزم خاتون نے اس ہجرت کو اللہ تعالیٰ کا حکم اور منشأ سمجھ کر قبول کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس ہجرت کا ثمرہ مسلمانانِ عالم کو خانہ کعبہ کا بطور مرکزِ اسلام دوبارہ آباد ہونے اور آب زمزم کو ہمیشہ کے لئے جاری ہونے کی صورت میں عطا فرمایا۔ وہ بے آب و گیاہ وادی جہاں کچھ بھی نہیں تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں سے دنیا بھر کی نعمتوں سے بھر گیا اور ہر سال وہاں ذی الحجہ کے مہینے میں مسلمانانِ عالم کا جو اجتماع ہوتا ہے اس میں اس عظیم اور اور جرار خاتون کی سنت بھی صفا و مروہ کے درمیان سعی کی صورت میں تازہ ہوتی ہے۔

دنیا کی سب سے عظیم ہجرت نبی کریم ﷺ کے زمانۂ مبارک میں مکہ المکرّمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہوئی ہے۔ اس ہجرت کی روداد جہاں اس لحاظ سے رونگھٹے کھڑے کرنے والی ہے کہ کفارِ مکہ نے مہاجروں کو مکہ سے خالی ہاتھ اور رات کے اندھیروں میں چوری چھپے جانے پر مجبور کیا وہاں ایسے انسانیت سوز واقعات بھی ہوئے کہ نبی ﷺ کی لختِ جگر کو اونٹ سے گرایا گیا۔ چھوٹے چھوٹے شیر خوار بچوں اور ماؤں کو آپس میں جدائی

اور فراقت کے مراحل سے گزارا گیا۔ مکہ المکرّمہ میں باہر سے آکر آباد ہونے والے مہاجروں کو ایک ایک چادر میں نکلنے پر مجبور کیا، لیکن ہجرت کی عظمت، فضیلت اور اہمیت کا اندازہ ان دو باتوں سے لگایا جاسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری عمر اپنے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مال ومتاع سے استفادہ کیا لیکن ہجرت کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے لی گئی اونٹنی کی قیمت ادا کردی، تاکہ ہجرت میں خرچ ہونے والی رقم کے ثواب کے ذریعے بلندیٔ درجات کا حصول ممکن ہوسکے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ مبارک میں جب اسلامی سال وتقویم [کیلنڈر] کے تعین کے لئے جب کمیٹی اجلاس ہوا تو ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ اور واقعات نبوت کے سلسلے میں پیدائش رسول، بعثت نبوی ﷺ نزول قرآن، فتح مکہ، حجۃ الوداع اور وفات نبی ﷺ کی صورت میں بہت سارے اہم واقعات موجود تھے، لیکن ان سب نے بالاتفاق جس کو اسلامی تقویم قرار دیا وہ ہجرت کا سال ہے لہٰذا اسلامی کیلنڈر ہجری کیلنڈر کہلایا۔ آپؐ کے صحابہؓ کو ہجری کیلنڈر اختیار کرنے کا واقعہ الہامی ہے اور اس کی حکمت اور فلسفہ یہ ہے کہ رہتی دنیا تک مسلمان جب بھی روزانہ کے معمولات میں تاریخ لکھیں گے تو ان کے سامنے یہ بات ہوگی کہ آج نبی ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی تاریخی ہجرت کو اتنے ماہ وسال ہوگئے ہیں۔ اس طرح مسلمانانِ عالم کو یہ بات ازبر ہوگی کہ اللہ کے دین کی حفاظت اور مسلمانوں کو دین اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے اگر سازگار ماحول میسر نہ ہو تو وہاں سے ہجرت سنتِ رسولؐ ہے۔ برطانوی دور میں ہندوستان سے افغانستان کی طرف ہجرت کے پیچھے بھی یہی فلسفہ کارفرما تھا اور ۱۹۴۷ء میں ہندوستان سے پاکستان کی طرف لاکھوں مسلمانوں کی ہجرت کا مدعا بھی یہی تھا۔ علامہ محمد اقبالؒ نے ہجرت کے اسی فلسفہ کے کے پیش فرمایا تھا:

؎ ہے ترکِ وطن سنتِ محبوب الٰہی دے تو بھی نبوت کی صداقت کی گواہی

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہجرت نبوی کے نتیجے میں اسلامی تاریخ میں مہاجرین وانصار کے درمیان جو بے نظیر تاریخی معاہدہ ہوا تھا، وہ پھر اسی جذبے اور روح کے ساتھ تو کم ہی نظر آیا۔ لیکن الحمدللہ! اسلامی تاریخ میں ہجرت جب بھی ہوئی مسلمانوں نے انصار ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ ۱۹۸۰ء کے عشرے میں افغانستان سے پاکستان کی طرف ۴۰ لاکھ مہاجرین کی آمد اور پاکستانیوں کا ان کے لئے انصار بننا ہجرت النبیؐ کی تعلیمات کے تحت تھا ورنہ کون اتنے لوگوں کو اپنے ہاں آباد کرکے اپنی معاشرت، اقتصاد اور سماج کو ناقابلِ

برداشت بوجھ اٹھانے پر مجبور کرتا ہے۔

ہمارا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ بعض اوقات ہم ایک کام بہت اچھے جذبے اور بلند مقاصد کے تحت بہت اچھی طرح شروع کرتے ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اس عظیم کام کے اہداف و مقاصد ہماری آنکھوں سے اوجھل ہونے لگتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ مطلوبہ نتائج ہاتھ آنے سے رہ جاتے ہیں جن کے حصول کے لئے اتنی تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے۔

اب جبکہ ایک دفعہ پھر پاکستان فاٹا، سوات، دیر، بونیر صوفی محمد، طالبان، فضل اللہ، بیت اللہ محسود، معاہدوں، سمجھوتوں اور پھر آپریشن اور اس کے نتیجے میں لٹے پٹے قافلوں، سفر اور فاقہ کے بچوں، پردہ دار ماؤں بہنوں سے اٹی ہوئی اور بنیادی سہولیات سے محروم خیمہ بستیوں سے دوچار ہے۔ اگرچہ عجیب ہجرت ہے لیکن ہم اس کو بھی تقدیر کا لکھا سمجھ کر اپنے مہاجرین بہن بھائیوں [اگرچہ ان سب بھائیوں اور بہنوں کو اپنے وطن میں مہاجر لکھنا دل گردے کا کام ہے] سے درخواست کرنا چاہوں گا کہ اس لمحۂ ابتلاء میں ہجرت نبویؐ کی نیت کر لیں اور ہر لمحۂ صبر و صلوٰۃ کے ذریعے، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں، مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جب بھی تم لوگوں پر کوئی مصیبت و تکلیف آئے تو "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" کے ورد کے ساتھ "اے ایمان والو! اللہ سے صبر اور نماز کے ذریعے مدد مانگو"۔ ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ ہماری مشکل آسان کر دے گا۔

اس کے علاوہ مصیبت کی گھڑی میں ہر پاکستانی اور مسلمان ملکوں بالخصوص امیر عرب ممالک کا فرض ہے کہ اپنے ان مہاجر بھائیوں کی ہر قسم کی مدد کے لئے انصار بننے کے جذبے سے آگے بڑھیں۔ یہ وقت نہ تو سیاست کا ہے اور نہ اس بات کے تعین کا کہ کون غلط ہے اور کون صحیح، یہ کس نے کیا، کیوں ہوا اور کیسے ہوا، کے سوالات اور ان کے جوابات تاریخ پر چھوڑ دیجئے اور اس وقت، اے اہلِ وطن! اپنے مظلوم اور تکالیف میں گھرے ہوئے بھائیوں کی دستگیری کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔

ہمارے یہ بزرگ، ہماری مائیں، ہماری بہنیں ہماری بیٹیاں اور ہمارے معصوم بچے ہمیں پکار رہے ہیں۔ دوڑ کر آیئے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے حصول اور پاکستان کی سلامتی اور بچاؤ کے لئے اپنا کردار ادا کیجئے۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ آمین۔

☆......☆......☆

جب اللہ کی مدد آتی ہے

اس دفعہ وطنِ عزیز میں عیدالاضحیٰ کے مبارک موقع پر ہمارے بہت سارے ہم وطنوں کے گھروں میں ایک غم اور حزن کا ماحول طاری ہے۔ ہمارے بہت سارے بھائیوں اور بہنوں کے بہت قریبی اور پیارے رشتے دار منوں مٹی تلے دفن ہو چکے ہیں۔ بہت سارے معصوم بچے یتیمی کی ردا اوڑھ چکے ہیں۔ کتنی دلہنوں کے سہاگ رخصت ہو چکے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ بہت سارے ماں باپ کے دل اپنے پیارے بیٹوں اور بیٹیوں اور دیگر معصوم اولاد کی یاد سے چھلنی اور فگار ہیں۔ اس بات میں شک نہیں کہ انسان بہت کمزور مخلوق ہے۔ اس کے باوجود زندگی کی بہت ساری المناک اور بھاری تکالیف و مصائب کو برداشت کرتا چلا جاتا ہے۔ لیکن حیاتِ مستعار میں بعض ایسے صدمات سے واسطہ پڑ جاتا ہے کہ یہی سخت جان انسان بے اختیار پکار اٹھتا ہے۔

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

صوبہ سرحد کے اکثر و بیشتر علاقوں میں آج ایک ایسی صورت حال بن چکی ہے کہ اب بھی لوگ امن وسکون کے لئے دعائیں مانگتے ہوئے ترس رہے ہیں۔ ان ہی حالات کے پیشِ نظر حکومتِ سرحد نے بہت سادگی کے ساتھ عید منانے کا اعلان کیا ہے۔

یہاں پر حکومت سرحد کی سرکاری سطح پر سادگی کے ساتھ عید منانے کے اعلان کی ستائش کی ساتھ عرض یہ ہے کہ مسلمان کے لئے زندگی کے سارے معاملات میں سادگی اختیار کرنے کی ہدایات دی گئی ہیں۔ عید کو سادگی کے ساتھ منانے کا مفہوم یہ ہے کہ اس مبارک موقع پر ایسے عمل اور سرگرمی کا ارتکاب نہ کیا جائے جو اللہ اور رسولؐ کی ناراضگی کا باعث بنے۔ مسلمانوں کے لئے عیدین کے مواقع بہت بابرکت اور اللہ کی رحمتوں کو سمیٹنے والے ہوتے ہیں۔ عید الفطر کے موقع پر رمضان المبارک کے روزے رکھ کر اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تکمیل کی خوشی کے اظہار کے طور پر عید مناتے ہیں اور عیدالاضحیٰ اس عظیم واقعے کی یاد دلاتی ہے کہ ایک عظیم باپ بیٹے نے مل کر اللہ کے حکم کی تعمیل و تکمیل میں انسانی تاریخ کی عظیم ترین قربانی کے لئے تیاری مکمل کر لی۔ اس کے نتیجے میں خانہ کعبہ کی تعمیر مکمل ہوئی اور حج کا وہ سلسلہ چلا جو قیامت تک جاری رہے گا۔ لہٰذا ایسے عظیم، مقدس اور دینی رفعت کے حامل موقع کی یاد منانے میں اسراف و تبذیر، حدودِ شریعت سے تجاوز یا پھر خوشی کے نام پر

موسیقی، شور وغل یا دیگر لہو ولعب تو کسی طور جائز نہیں۔

اسلامی معاشرے میں پڑوسی کے غم خوشی میں شریک ہونا سنت رسولؐ ہے۔ پڑوسی کے حقوق میں یہ بات شامل ہے کہ اس کے جذبات واحساسات اور حالات کا خیال رکھا جائے۔ یہ بات تو انسانیت کے تحت بھی جائز نہیں کہ ایک گھر میں غم وملال ہو اور دوسرا خوشیاں منائے لیکن آج کے بہت ہی ناگفتہ بہ صورتحال میں ہمارے شہروں میں جس طرح غم واندوہ، کرب والم اور دکھ درد کی فضا چھائی ہوئی ہے اس کا اولین تقاضا یہ ہے کہ ہم سب اپنے اپنے مقام پر اپنے ان بھائیوں، بہنوں اور رشتہ داروں کے غم درد میں اس طرح شریک ہو جائیں کہ آج کے دن کہ اپنے بچھڑے رشتہ دار لامحالہ لوگوں کو یاد بہت بری طرح یاد آتے ہیں، کچھ مداوا اور پھاہا بن کر ان کے ہرے زخموں کی مرہم پٹی کا سبب بن جائیں۔

آج ایک مسلمان اور پاکستانی کی حیثیت سے ہمارا اولین فریضہ یہ ہے کہ عیدالاضحیٰ کے مبارک ایام میں ہم اپنے مغموم ومحزون بھائیوں کا ہر ہر قدم پر خیال رکھیں۔ بعض اوقات ہماری بعض چھوٹی سی بات یا حرکت پر ہمارے پڑوسی کو بہت ٹھیس لگتی ہے۔ لہٰذا اگر آپ کے پڑوس میں کوئی ایسا گھرانہ ہے جن کے عزیز موجودہ دہشت گردی کی لہر میں شہید ہو چکے ہیں یا کسی اور وجہ سے غم کی فضا ہے تو اونچی آواز میں موسیقی وغیرہ سننا، یا گھر میں رشتہ داروں کی آمد پر ایسی محفلیں برپا کرنا کہ اس سے بے جا خوشی کا اظہار جھلکتا ہو، یقیناً اپنے پڑوس کے حقوق کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہے۔ اسی طرح اپنے بچوں کو بھی یہ سمجھانا ضروری ہے کہ بیٹا! چونکہ ہمارے پڑوس میں لوگ غمزدہ ہیں لہٰذا پٹاخے یا کروکر چھوڑنا یا ہوائی فائرنگ کرنا ایک طرف اسلام میں ممنوع اور دوسری طرف لوگوں کے نازک جذبات کے خلاف ہے۔ ویسے تو ہر عیدالاضحیٰ کے موقع پر ہر صاحب استطاعت پر یہ واجب ہے کہ اپنے محلے کے غریب ونادار بھائیوں کا گوشت وغیرہ میں حصہ کرے لیکن اس دفعہ ان لوگوں کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے جن کے قریبی اور پیارے رشتہ دار اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ ایسے نادار وغریب لوگوں کے ہاں نہ صرف گوشت بھیجیں بلکہ ان کے ہاں جا کر کچھ وقت ان کے ساتھ گزاریں اور تسلی اور امید افزا باتوں میں چند ساعات کے لئے مشغول کرلیں۔

غزوۂ احد کے موقع پر جب ۷۰ صحابہ کرامؓ شہید ہوئے اور مدینہ منورہ میں عمومی طور پر غم کی فضا چھائی ہوئی تھی تو نبی ﷺ لوگوں میں امید وہمت برقرار رکھنے اور شہداء کے درجات بیان فرمانے کے لئے ان گھروں میں

تشریف لے گئے جن کے رشتہ دار شہید ہوئے تھے۔

اگر ہماری حکومت کے لئے ممکن ہو تو کیا ہی بہتر ہوتا کہ اپنے علاقے کے ایم پی اے، وزراء، یا دیگر حکومتی اہل کاران گھروں کے لئے چھوٹا اور کم قیمت سہی، کوئی تحفہ خود لے جا کر پیش کرتے اور ان کو تسلی و دلاسہ کے دو بول بھی عنایت کرتے تو لوگوں میں زندگی کی ایک نئی امید اور غم و درد کو برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا ہوتا۔

ان سارے حالات کے باوجود ہمارا ایمان ہے کہ موت کا ایک دن معین ہے۔ لہٰذا جو لوگ دہشت گردی کی اس لہر میں چل بسے اللہ ان کے درجات بلند کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اس کے ساتھ ساتھ عیدالاضحیٰ کو دینی اہتمام کے ساتھ منانا ہر حال میں ضروری ہے۔ لوگوں کو عید کی نماز میں بہت اہتمام کے ساتھ شریک ہو کر اپنے اپنے رشتہ داروں اور وطنِ عزیز میں امن و سکون اور سلامتی و آشتی کے عام ہونے کے لئے دعائیں بھی کرنی چاہئیں کیونکہ یہ ایک مقبول دن ہے اور اس میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

اس عاجز کی طرف سے اہلِ وطن کو عید مبارک کے ساتھ ان سارے بھائیوں اور بہنوں کے لئے تعزیت جن کے رشتہ داران سے رخصت ہو چکے ہیں۔ ان سے درخواست ہے کہ نماز اور صبر کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں۔

☆......☆......☆

موجودہ صورت حال اور ہماری ذمہ داریاں

پاکستان میں دہشت گردی کے خلاف جنگ، اس کے اسباب، اثرات اور حل پر اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ اُس مواد سے کئی کتابیں تالیف ہوسکتی ہیں۔ اگرچہ اب بھی اِس موضوع کے بہت سارے گوشے اور پہلو تشنہ ہیں اب بھی بہت ساری باتیں کہنے کو باقی ہیں۔ اُن میں سے بعض کہنے میں سیاست مانع ہے اور بعض کے کہنے میں حکمت و مصلحت اور بعض باتوں کے کہنے میں خوف وفسادِ خلق آڑے آرہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آج تک اِس موضوع کے بارے میں عوام کے پاس کوئی واضح دوٹوک اور قومی اُمنگوں اور مفادات پر مبنی فکر اور سوچ پیدا نہ ہوسکی۔ اِس طرزِ عمل میں اس بات کا بہت بڑا اثر ہے کہ جس طرح بین الاقوامی سطح پر دہشت گردی کی کوئی واضح اور جامع تعریف اور تشریح آج تک سامنے نہیں آئی اِسی طرح ہمارے ہاں بھی مختلف لوگ، دانشور، صحافی اور مذہبی سکالر اور حکومتی اہل کار آج تک عوام اور قوم کو اُس انداز میں بریف اور قائل کر سکے جس انداز میں ایک قومی المیہ کے دنوں قوم کے افراد کا ایک ایسا مثالی کردار سامنے لا سکے جو اُن مسائل کے حال کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرے تاکہ ملک وقوم المیوں سے نکل کر محفوظ راہ پر گامزن ہوسکے۔

اِس وقت عوام اور خواص کو یہ بات سمجھنا بہت ضروری ہے کہ اسلام اور پاکستان مخالف قوتیں اپنی طاقتور میڈیا اور اُس سے وابستہ دانشوروں، مفکرین (Thank Tanks) اور صحافیوں کے ذریعے دن رات یہ پروپیگنڈا اور ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں کہ پاکستان ایک غیر مستحکم ملک ہے، اِس وقت یہ ملک سخت دہشت گردی کا شکار ہے اور اِس کے دہشت گردوں کے ہاتھوں میں جانے کے بہت زیادہ امکانات ہیں اور ایسی صورت میں اِس کے نیوکلیر اثاثہ جات امریکہ، انڈیا، اسرائیل اور مغرب وغیرہ کیلئے بہت خطرناک ثابت ہوں گے لہٰذا جیسے بھی ممکن ہو پاکستان کے اِسی اہم ہتھیار کو نہ رہنا دیا جائے۔ اِس مقصد کے حصول کیلئے انڈیا اور اسرائیل نے اَسّی [۸۰] کے عشرے میں ہی جب پاکستان کا نیوکلیئر پروگرام ابھی تیاری کے مراحل میں تھا، کو ختم کرنے کیلئے ٹھیک ٹھاک منصوبہ بندی کر رکھی تھی۔ اللہ کے فضل سے پاکستان کو بھارت اسرائیل کے اس گھناؤنے منصوبہ کا علم ہوگیا اور پاکستان نے راتوں رات اپنی فضائیہ کو الرٹ کرتے ہوئے جوابی حملے کی حکمت عملی بھی تیار کرلی۔ جس کے نتیجے میں وہ اپنے مذموم ارادوں سے باز آنے پر مجبور ہوئے۔

یہ وہ دور تھا کہ پاکستان اِس خطے میں اپنی سٹرٹیجک اہمیت کے پیش نظر ایک مرکزی کردار ادا کر رہا تھا اور مخالف قوتیں پاکستان کو قابو کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

پاکستان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت شدہ بعض انعامات ایسی ہیں کہ اُن کے پیش نظر نہ چاہتے ہوئے بھی عالمی اور علاقائی قوتیں پاکستان کو اپنے مقاصد اور مفادات کیلئے استعمال کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتیں اور پاکستانی فطری لحاظ سے سادہ [مخلص] اور وفادار قسم کے لوگ ہیں، اِس لئے عموماً کبھی دوستی کے نام پر اور کبھی مجبوری کے نام استعمال ہو کر نقصانات اُٹھاتا رہتا ہے۔ جبکہ پاکستان کا پڑوسی ملک بھارت بہت زیادہ مکّار، شاطر اور ساہوکار ہونے کی بناء پر ہمیشہ اِس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ پاکستان کا استحصال کس طرح کر کے فوائد سمیٹے جائیں۔ امریکی صدر رچرڈ نکسن نے بھی اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ پاکستانی سادہ طبعیت کے لوگ ہیں لہٰذا ہم امریکی جیسے چاہیں اُنہیں اپنے مفادات کیلئے استعمال کر لیتے ہیں جبکہ بھارت ان کے مقابلے اتنا مکار، ہوشیار اور چالاک ہے کہ ہم امریکی مجبور ہو جاتے ہیں کہ انڈیا کی بنائی ہوئی پالیسیوں پر چلنا شروع کر دیں۔

آج پاکستان 9/11 کے بعد اختیار کردہ پالیسی کے ہاتھوں عجیب صورت حال سے دوچار ہے۔ ہماری اِن پالیسیوں کے نتیجے میں برپا صورت حال سے بھارت ڈبل فوائد سمیٹ رہا ہے۔ ایک طرف امریکہ سے سِول نیوکلیئر ٹیکنالوجی کے معاہدے کے ذریعے اپنی ایٹمی طاقت کو مزید آگے بڑھانے کے منصوبے بنا رہا ہے دوسری طرف افغانستان میں اپنی ضرورت سے زیادہ قونصل خانوں کے ذریعے پاکستان کے مشکلات میں بہت زیادہ اضافہ کر رہا ہے۔ تیسری طرف مسلم ممالک تعلقات بڑھانے اور اسلامی دُنیا میں پاکستان کے مرکزی کردار کو گھٹانے کیلئے او آئی سی (OIC) میں اپنی مسلم آبادی کے کارڈ رکنیت کے حصول کیلئے کوشاں ہے، اس کے متحدہ سلامتی کونسل کی رکنیت کا خواہش بھی پال رہا ہے۔

پاکستان کیلئے موجودہ صورت حال اِس لحاظ سے بہت گھمبیر اور مشکل ہے۔ ایک تو امریکیوں نے آڑے وقت میں ہمارا کبھی ساتھ نہیں دیا۔ اِس کے علاوہ 9/11 کے بعد اور بالخصوص گزشتہ تین چار برسوں سے بھارت اور اسرائیل امریکی چھتری کے نتیجے پاکستان کے خلاف کھلم کھلا سازشیں کر رہے ہیں۔ پاکستان نے اب امریکہ سے شاید بھارت کی شکایت ذرا دوٹوک لہجے میں کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ کے وزارتِ خارجہ کے نمائندے ولیم برنز نے بھارت سے کہا ہے کہ جلال آباد اور قندھار میں اپنے قونصل خانے بند کر دے یا اُس

کا عملہ کم کر دے۔

بھارت اور اسرائیل، امریکی چھتری کے نیچے پاکستان کے خلاف ایک بہت خطرناک حربہ یہ استعمال کئے جا رہے ہیں کہ مسلمانوں میں موجود تکفیری تصور کے حامل لوگوں کو بے دردی کے ساتھ استعمال میں لایا جا رہا ہے۔ تکفیری تصور کے حامل لوگ مسلمان حکومتوں کے خلاف اعلان جنگ کو درست بلکہ جہاد خیال کرتے ہیں۔ یہ لوگ ایسا ماحول بنا چکے ہیں جس سے پاکستان کو بہت زیادہ نقصان کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے لیکن موجودہ صورت حال میں ایک سوال بہت اہم ہے اور عام لوگ کو یہی سوال درپیش ہے کہ پاکستان کا مستقبل کیا ہے۔ اللہ نہ کرے کہیں یہ ملک ٹوٹ تو نہیں جائیگا۔ عوام پر ہمارے دُشمنوں اور مخالفین کی طرف سے وقتاً فوقتاً مختلف قسم کے نقشوں اور تھینک ٹینک کی بے بنیاد آراء کے ذریعے پروپیگنڈا کا ایسا یلغار آتا ہے کہ عام آدمی اپنے ملک کے بارے میں پریشاں ہو جاتا ہے، لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ جب ملک حالتِ جنگ میں ہوتا ہے تو دُشمن کا سب سے بڑا حربہ عوام کو خوف زدہ کرنا اور پروپیگنڈا اور ڈس انفارمیشن کے ذریعے بے یقینی کی صورت حال سے دوچار کرنا ہوتا ہے۔ بے یقینی اور غیر یقینی صورت حال سے دوچار افراد اور عوام اپنے مستقبل سے مایوس ہونے لگتے ہیں اور جب عوام مایوس ہو جاتی ہیں تو اُن کے ہاتھ پاؤں شل ہونے لگتے ہیں۔ ایسے میں ملک و قوم تو رہے ایک طرف، وہ اپنے لئے کوئی کام نہیں کر سکتے، کیونکہ جب لوگ اپنے کل کے بارے میں مایوسی کے شکار ہونے لگتے ہیں تو اُس کیلئے کام کرنے کی کیا ضرورت ہے اور دُشمن یہی چاہتا ہے جبکہ مسلمان کی حیثیت سے مایوسی کفر ہے۔ مسلمان کسی حال میں مایوس نہیں ہوتا کیونکہ اُسے اللہ تعالیٰ کی ذات پر پختہ یقین ہوتا ہے اور اُس کا عقیدہ ہوتا ہے کہ اللہ کے حکم کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ہم مسلمان کی حیثیت سے اِس بات کے پابند ہیں کہ پاکستان کے بارے میں ایک بات کا پکا یقین بنا لیں کہ یہ ملک اللہ کا دیا ہوا تحفہ ہے اور وہی اِس کی حفاظت کر رہا ہے۔ اگرچہ ملک کی حفاظت میں عوام کے کردار کا جس میں صداقت اور امانت بنیادی اور سرفہرست اعمال ہیں، بڑا عمل دخل ہوتا ہے، لیکن اگر دیکھا جائے تو گزشتہ ساٹھ سال سے اپنوں اور غیروں نے اِس ملک کو توڑنے کی بے شمار کوششیں کی ہیں مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ ملک قائم و دائم ہے۔

ہماری بہت ساری کوتاہیوں اور خامیوں کے باوجود ہمارا نیوکلیر اور میزائل پروگرام اور پاک افواج مضبوط سے مضبوط تر اور مستحکم ہوتی چلی آئی ہیں۔ البتہ حکومت کو چاہیے کہ قوم کی نوجوان نسل میں پختہ شعور بیدار

کرنے کیلئے منظّم کوششیں جاری رکھیں۔

پاکستان کے مایہ ناز ادیب اشفاق احمد پاکستان حوالے سے فرمایا کرتے تھے کہ پاکستان کی مثال حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی طرح ہے، جس طرح صالح علیہ السلام کی اونٹنی اللہ تعالیٰ کے معجزے سے پیدا ہوئی تھی اور اللہ کی نشانی کے طور پر اِس کو رکھا گیا تھا اور جس نے بھی اُسے نقصان پہنچانے کی کوشش کی وہ اللہ کے عذاب میں مبتلا ہوا، پاکستان کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے جس نے بھی پاکستان کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی اُسے ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ تاریخ گواہ ہے اور تاریخ میں اُن لوگوں کا عبرت ناک انجام محفوظ ہے۔ لہٰذا پاکستان کو نقصان پہنچانے والوں کیلئے اِس میں عبرت کا بہت بڑا سامان ہے۔ پس:

فاعتبروا یااولی الابصار

☆......☆......☆

اسلام میں ذکر، شکر اور صبر کی فضیلت

ذِکر:

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے ذکر کی اہمیت واضح کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''سو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا، اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو'' [سورۂ بقرہ آیت: ۱۵۲]۔

اس آیت کی تفسیر میں امام بیضاوی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی جائے۔ دل و زبان سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا بھی یادِ الٰہی ہے لیکن اس کا اصل اور زیادہ مفید مفہوم اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ یاد کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خوف سے گناہوں کو ترک کرنا بھی یادِ الٰہی میں شمار ہے۔ علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ "کُلّ مُطِیعٌ لِلّٰہِ فَھُوَ ذَاکِرٌ" ''یعنی ہر وہ مسلمان جو اللہ کا فرمانبردار ہو وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ہے۔ اس کے ساتھ ہی زبان سے یاد کرنے کی بھی اپنی فضیلت ہے۔

ایک حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے اور میری یاد میں اس کے ہونٹ حرکت کریں۔ [صحیح بخاری]

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے۔ سو اگر اس نے مجھے تنہائی میں یاد کیا تو میں بھی اسے تنہا یاد کروں گا اگر وہ مجھے لوگوں [جماعت] میں یاد کرے تو میں بھی اسے جماعت میں یاد کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہوں [یعنی عالم بالا کے درباری فرشتوں کی جماعت میں] [صحیح بخاری عن ابی ہریرہؓ]۔

احادیث مبارکہ میں ذکر میں مشغول ہونے کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں یوں کہوں کہ " **سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله اكبر** تو یہ مجھے ان سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن چیزوں پر سورج طلوع ہوا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں لیکن [قیامت کے دن] میزان میں بہت بھاری ہوں گے اور رحمٰن کو محبوب ہیں اور وہ یہ ہیں ''سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم'' [صحیح بخاری]۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ کسی جگہ بیٹھ کر اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاتے ہیں تو ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور ان پر رحمت چھا جاتی ہے اور ان پر سکون و اطمینان کا نزول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو درباریوں میں یاد فرماتا ہے۔

شکر:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بے شمار نعمتیں نازل کی ہیں۔ خوبصورت جسم، عقل وفکر، صحت اور دنیاوی نعمتیں ایسی ہیں کہ ہر بندۂ خدا پر واجب ہے کہ ذکر الٰہی کے ساتھ ان نعمتوں کا شکر ادا کرے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکر گزاری میں یہ سب شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا اقرار و اعتراف کیا جائے۔ قول اور عمل سے نعمتوں کا اظہار کریں۔ نعمتوں کی قدردانی کریں۔

ہمارے ہاں عام طور پر زیادہ دولت، مال ومتاع اور بنگلے اور پلاٹ وغیرہ نعمتوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال مال و دولت کی عطا یقیناً بڑی نعمتوں میں شمار ہے لیکن اصل نعمت اسلام کی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمیں بغیر کسی درخواست کے مسلمان بنایا ہے اس کے بعد اسلام کے ارکان وتعلیمات پر عمل پیرا ہونا بہت بڑی نعمت ہے۔ تندرستی اور اچھی صحت بہت بڑی نعمت ہے۔ دو آنکھیں ایک دل، دو گردے، ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء کی قیمت پر ذرا غور کریں یا جو لوگ ان نعمتوں سے محروم ہیں ان سے ذرا ان کی قدر و قیمت معلوم کرلیں۔ ان ساری نعمتوں کی شکر گزاری ہر انسان پر فرض ہے۔ نعمتوں کی شکر گزاری کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں اور ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور فرمانبرداری میں خرچ کریں۔ ان نعمتوں کا احساس نہ کرنا، منکر ہونا یا ان کی ناقدری کرنا یا گناہوں میں خرچ اور صرف کرنا ناشکری میں شمار ہوتا ہے۔ شکر بہت بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے نعمتیں باقی رہتی ہیں اور ان میں اضافہ جاری رہتا ہے۔ اور ناشکری گناہ کے ساتھ ساتھ نعمتوں کے چھن جانے کی وجہ بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ ابراہیم میں فرمایا ہے ''اور جب تمہارے رب نے اعلان فرمایا کہ البتہ اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں ضرور ضرور اور زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بلاشبہ میرا عذاب سخت ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی ناشکر طبیعت کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ ابراہیم میں فرمایا ''اور اللہ تعالیٰ نے تم کو ان

سب چیزوں میں سے دیا جن کا تم نے سوال کیا اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہ کر سکو گے۔ بلاشبہ انسان بڑا ظالم ہے [اور] بڑا ناشکرا ہے"۔

احادیث مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر بار بار اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کا ذکر موجود ہے۔ ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ اَلْحَمْدُ رَاسُ الشُّکْرِ مَا شَکَرَ عَبْدًا لَّا یَحْمَدَہٗ یعنی اللہ کی حمد کرنا اصل شکر ہے جو بندہ اللہ کی حمد بیان نہیں کرتا اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا"۔

صبر:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں اہل ایمان کو ذکر اور شکر کا حکم فرمایا اس کے ساتھ ہی صبر اور نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ صبر کے لغوی معنی رُکنے اور ٹھہر جانے کا ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں یہ لفظ تین معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ نمبر۱۔ اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت وفرمانبرداری پر لگائے رکھنا، نمبر۲۔ اپنے آپ کو گناہوں سے روک کر رکھنا اور نمبر۳۔ آفات، تکالیف اور مشکلات ومصائب کو اس طرح برداشت کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی قضاء قدر پر راضی بہ رضا ہو اور اس کے سامنے سر تسلیم خم ہو اور دکھ ومصائب پر تحمل اور برداشت کے ذریعے ثواب اور اجر کا امیدوار ہو۔ ہمارے ہاں عام طور پر صبر کے صرف وہی معنیٰ لئے جاتے ہیں جو نمبر۳ میں بیان ہوا ہے۔ حالانکہ یہ تینوں صورتیں صبر میں شامل ہیں۔ جو شخص بھی صبر کرے ان ان تینوں صورت کو اختیار کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ ہوگا اور اس کے نتیجے میں اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور نصرتیں اور نعمتیں شامل ہوں گی۔

سورۂ زمر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "صبر کرنے والوں کو پورا پورا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا"۔

حضرت صہیب رومیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مومن کا معاملہ عجیب ہے۔ اس کی ہر حالت خیر ہے اور یہ مؤمن کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اگر مؤمن کو خوش کرنے والی حالت مل گئی تو اس نے اس پر شکر کیا جو اس کے لئے بہتر ہوا اس کو تکلیف دینے والی حالت پہنچ گئی تو اس نے صبر کیا یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوا [رواہ مسلم]۔

صبر میں تھوڑی سی تکلیف ضرور ہوتی ہے مگر اس کے بعد نعمتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور انسان

[صابر] کو وہ کچھ ملتا ہے جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا۔ جو لوگ صبر نہیں کرتے یا کچھ تکالیف اور مصائب وغیرہ میں جزع وفزع اور واویلا کرتے ہیں اور چیختے چلاتے ہیں [نعوذ باللہ] اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرتے ہیں یا اللہ سے شکوہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر پر راضی نہیں ہوتے، تکلیف ومصائب بھی اٹھاتے ہیں اور ثواب واجر سے بھی محروم رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے صبر کے ساتھ نماز کا تذکرہ بھی فرمایا اور مسلمانوں کو زندگی کے ہر معاملے میں نماز کے ذریعے مددِ الٰہی حاصل کرنے کا حکم فرمایا۔ نماز اللہ تعالیٰ کے مدد ونصرت کے حصول کے لئے بہت بڑی اور اہم عبادت ہے اور ہر قسم کی پریشانیاں دور کرنے کے لئے اکسیر اعظم ہے۔ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی مشکل پیش آجاتی تھی تو نماز میں مشغول ہوجاتے تھے۔

فرض نماز کے علاوہ ہر قسم کی مشکلات سے نکلنے کے لئے اور اپنی جائز حاجات پوری کرانے کے لئے رسول اللہ ﷺ خصوصیت کے ساتھ نفل نماز میں مشغول ہوجاتے۔ نمازِ حاجت، نمازِ استخارہ، نمازِ توبہ اور نمازِ استسقاء [بارش کے لئے نماز] سب رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت طلب اور حاصل کرنے کے لئے شریعت کے مطابق ہیں۔

ہمارے ہاں عام طور پر یہ طریقہ ہے کہ کوئی مصیبت آجائے تو دنیا بھر کی تدبیریں کرتے ہیں اور مختلف لوگوں سے مدد چاہتے ہیں لیکن صبر اور نماز کے ذریعے مدد حاصل کرنے کو بہت کم آزماتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول پر ہمیشہ یقین رکھیں کہ اِنّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ یعنی اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

☆......☆......☆

اسلام میں نعت کا مقام

نعت عربی زبان کا لفظ ہے۔اس کے معنٰی ہیں تعریف کرنا،صفت بیان کرنا۔لیکن اصطلاحی زبان میں نعت صرف نبی ﷺ کی تعریف وتوصیف کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کی تعریف وصفت نثر میں بھی ہوتی ہے اور نظم میں بھی،لیکن نعت کا اطلاق عام طور پر نظم کی صورت میں بیان کردہ صفات پر ہوتا ہے۔

نعت کہنا،لکھنا اور سننا اس وقت سے جاری ہے جب سے یہ کائنات وجود میں آئی ہے کیونکہ جس ہستی کے باعث اس کائنات کی تخلیق ہوئی ہے ان کا نامِ نامی محمد ﷺ ہے۔اس آخری نبی ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری،کامل اور جامع کتاب قرآن کریم میں فرمایا ہے ”بے شک اللہ اور فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔اے ایمان والو!تم بھی ان پر درود وسلام بھیجو“۔

نبی ﷺ پر درود وسلام بھیجنا دراصل آپ ؐ کی تعریف وصفت بیان کرنا ہے اور اسی تعریف وصفت کے بیان کو نعت کہتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ ہی نے نعت کی تحسین فرمانے کے ساتھ ساتھ اس پر حوصلہ افزائی بھی فرمائی ہے اور اس کو لکھنا،پڑھنا اور سننا باعث ثواب قرار دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ ؐ کے دورِ مبارک میں بہت سارے صحابہؓ نے آپ ؐ کی نعت لکھی اور خود آپ ؐ کو سنائی۔ حضرت حسانؓ بن ثابت،حضرت عبداللہؓ بن رواحہ اور حضرت کعبؓ بن مالک اس لحاظ سے بہت مشہور ہیں۔

صحابہ کرامؓ کے مبارک دور سے لے کر آج تک نعت لکھنا،سننا اور پڑھنا اسلامی ادب کا ایک مستقل حصہ رہا ہے اور مسلمانوں کے ہاں بولی جانے والی کوئی زبان ایسی نہیں ہوگی جس میں نعت گوئی کا ایک وافر ذخیرہ موجود نہ ہو۔ دنیا کی ساری زبانوں میں نعت کا کچھ نہ کچھ حصہ ہونے کے علاوہ عربی، فارسی اور اردو اس لحاظ سے خوش قسمت ترین زبانیں ہیں کہ نعت کا بہت بڑا حصہ ان زبانوں میں موجود اور محفوظ ہے۔اردو زبان کو یہ عزت بھی حاصل ہے کہ محققین کے مطابق اردو زبان کا پہلا تحریری سرمایہ حمد ونعت ہی منظر عام پر آیا تھا۔اسکے علاوہ پاکستان اس لحاظ سے بہت خوش قسمت ہے کہ یہاں بولی جانے والی ساری زبانوں میں بہت اعلیٰ پائے کی نعت کہی گئی ہے۔ برصغیر پاک وہند میں اردو زبان میں جو نعت گو پائے جاتے ہیں وہ آج کے دور میں شاید اور کہیں موجود نہ ہوں۔ محسن کاکوروی سے لے کر حفیظ تائب تک اچھے اچھے نعت گو شعراء موجود ہیں اور یہ سلسلہ

ان شاءاللہ یوں ہی جاری رہے گا۔ پاکستان کی دیگر زبانوں کی طرح پشتو زبان بھی نعت گوئی میں کسی سے پیچھے نہیں۔ اردوزبان کی طرح پشتو زبان میں بھی رزمیہ شاعری کے ساتھ ساتھ حمدیہ اور نعتیہ شاعری ہی اس زبان کی پہچان ہے۔ خوشحال خان خٹک، رحمان بابا اور حاجی محمد امین ترنگزئی جیسے نامور نعت گوشعراء سے لیکر حمزہ بابا اور مشتاق احمد مشتاق تک معلوم نہیں کتنے حضرات اس نیک کام کا بیڑا اٹھاتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ اسی طرح قیامت تک جاری رہے گا۔ ان شاءاللہ، کیونکہ آپؐ ہی خاتم النبیین ہیں اور آپؐ ہی سارے انسانوں سے افضل ہیں لہذا آپؐ ہی اس کے مستحق ہیں کہ آپ کی تعریف وتوصیف بیان کی جائے کیونکہ آپؐ ہی کا نام نامی محمدؐ ہے جس کے معنٰی ہیں وہ شخص جس کی بار بار تعریف کی جاتی رہے۔ ہم یقیناً خوش قسمت ہیں کہ آج ہمیں اس بابرکت محفل میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔

☆......☆......☆

کونسا اِسلام افضل ہے؟

کون سا اِسلام افضل ہے، سے یہ مراد نہیں کہ بہت سارے اسلام ہیں اور ان میں سے کسی کو افضل قرار دینا ہے۔ اگرچہ عالم اسلام میں ہم نے ایک اللہ اور ایک ہی پیغمبر خاتم النبیین ﷺ کے لائی ہوئے دین کو بہت سارے مسالک مکاتبِ فکر میں تقسیم کر کے ایک سماں پیدا کیا ہے۔ جس میں عام آدمی یقیناً پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے اور سوچنے لگتا ہے کہ یا رب! میں کس کے اسلام کو اپنے لئے راہِ نجات سمجھوں۔ اسلام میں اختلاف فکر و نظر انسان کی سہولت اور وقت و حالات کے پیش نظر علمائے حق کے اجتہاد کا نتیجہ ہے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم آج مسلکی اختلاف جو کبھی رحمت کے لئے کیا جاتا تھا، آج ہمارے لئے زحمت کا سبب بن رہا ہے۔

لیکن آج اِن سطور میں جس افضل اسلام کی بات ہو رہی ہے اس سے مراد وہ اسلام ہے جس کو جناب خاتم النبیین ﷺ نے افضل قرار دیا ہے، نبوی حکمت کی ایک شاندار علامت یہ ہے کہ آپؐ نے اسلام کے بنیادی عقائد اور ارکان کے ساتھ ان اعمال و افعال کو اسلام کا بہترین اور ناگزیر عمل قرار دیا ہے جس کی اس وقت لوگوں کو سخت ضرورت ہوئی تھی۔

صحابہ کرامؓ نے مختلف مواقع پر نبیِ کریم ﷺ سے یہ سوال پوچھا ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ! کونسا اسلام افضل ہے؟ اس سوال سے ان کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ اسلام کا وہ کون سا عمل یا کون سی عبادت ہے جس کے ادا کرنے سے ہم اسلام کی بہترین صورت پر عمل کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ نبی ﷺ نے ایسے مواقع پر معاشرے کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر رفاہِ عامہ کے کاموں کو بہترین اور افضل اسلام قرار دیا ہے۔ مثلاً ایک موقع پر جناب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ کون سا اسلام افضل ہے۔ آپؐ نے فرمایا "تُطعِمُ الطَّعَامَ" یعنی کھانا کھلانا۔ اور ساتھ بھی فرمایا کہ ہر مسلمان کو سلام کرنا، خواہ اسے جان پہچان ہو یا نہ ہو"۔

نبی ﷺ نے جس زمانے میں کھانا کھلانے کو اسلام کی بہترین خصلت قرار دیا یقیناً اس زمانے میں لوگوں کو کھانے وغیرہ کی اشد ضرورت ہوگی۔ اور ہو سکتا ہے وہ ایام قحط یا گرانی [مہنگائی] کے ہوں۔ ایسے دنوں میں غریبوں، مہمانوں اور محتاجوں کو کھانا کھلانا سب کاموں سے افضل ہے۔ اس کے علاوہ نبی ﷺ نے ایک ایسی کام کو سب سے افضل عمل قرار دیا ہے جس پر نہ خرچ آتا ہے اور نہ کوئی جسمانی مشقت کرنا پڑتی ہے۔ لیکن کسی

بھی معاشرے پر اس کے بہت گہرے اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کون سا مسلمان افضل ہے۔آپؐ نے فرمایا: جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان بچے رہیں''۔

نبی ﷺ کی ان فرامین کی روشنی میں اگر آج کوئی پوچھے کہ کونسا اسلام یا مسلمان افضل ہے تو میں بلا تردد پکار اٹھوں گا کہ وہ مسلمان جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔

اس وقت اگر ہم غیر مسلم معاشروں کے ساتھ اپنے مسلمان معاشروں کا تقابل کریں تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ ہمارے ہاں کے زیادہ تر معاشرتی مسائل اور بگاڑ کا تعلق زباں کے غلط اور بے استعمال سے ہے اور اسی کے نتیجے میں بات ہاتھ اور پھر ہاتھا پائی تک پہنچ جاتی ہے۔ پختون معاشرے میں زبان سے پہلے یعنی بات چیت اور زبان سے پہلے ہاتھ [جس میں بندوق اور کلاشنکوف بھی شامل ہے] استعمال کرتے ہیں اور بعد میں زبان یعنی مذاکرات سے کام لیتے ہیں جو یقیناً کسی طرح بھی اِسلام کی اُن بنیادی تعلیمات سے لگاؤ نہیں کھاتی جو ایک پُر امن اسلامی معاشرے کی تشکیل کیلئے ضروری گردانے جاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی یہ پاک اور مبارک تعلیمات ساری انسانیت کیلئے بلعموم اور مسلمانانِ عالم کیلئے بالخصوص قیامت تک کیلئے رھنما اور قابلِ تقلید ہیں۔ اِن تعلیمات کے ذریعے کہ کون سا اِسلام یا مسلمان افضل ہے۔آج بھی معجزے برپا کیئے جاسکتے ہیں۔

اِن ایام میں اگر ہم اِن مقدّس تعلیمات سے استفادہ کرنا چاہیں تو بہت بڑی تبدیلی آسکتی ہے۔آج ہمارے معاشرے کو جس افضل اِسلام اور مسلمان کی ضرورت ہے وہ یہ کہ سب مِل کر اِس ملک میں امن وسلامتی اور استحکام کیلئے اپنا کردار ادا کریں۔ اگر ہم میں سے ہر آدمی یہ اِرادہ کرلے کہ میں اپنی زبان سے کسی کی غیبت یا برائی نہیں کرونگا تو اِس کے جواب میں دوسرے لوگ بھی اُس کی برائی وغیرہ ترک کردینگے۔

اِس سے نہ صرف اخروی ثمرات ملتے ہیں بلکہ معاشرتی زندگی پر خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ پاکستان میں آج اِس بات کی بہت سخت ضرورت ہے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی سطح پر مِل کر سوچیں کہ ہمارے لئے آج کون سا اِسلام افضل ہے۔ میں تو بلا مبالغہ وتردد یہ کہونگا کہ امن کا قیام ہماری اولین اجتماعی ذمہّ داری ہے۔ امن کے قیام کے بعد سب سے بہترین اِسلام یہ کہ ہم پاکستانی بحیثیت قوم تعلیم وتعلّم کی طرف متوجہ ہوجائیں۔ بامقصد وتعمیری تعلیم و تربیت کا حصول اِس وقت سب سے افضل کام ہے۔ اِس قسم کی تعلیم کے ذریعے افراد اور اقوام کی سیرت وکردار کی تعمیر

ہوتی ہے اور پھر اسی کے ذریعے ملک وقوم اور ملت کی تعمیر ہوتی ہے۔

جس طرح نبی کریم ﷺ نے اپنے مبارک عہد میں معاشرے کی ضروریات اور تقاضوں کے مطابق مختلف اوقات میں مختلف اعمال و امور کو بہترین و افضل اِسلام قرار فرمایا تھا اُس کی روشنی میں آج اِس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ملک وقوم کے علمائے کرام اور رہنما و سیاستدان وغیرہ ایسے امور کا تعین کرے جو قوموں کی بقاء اور ترقی کیلئے ضروری ہو۔ اِس سلسلے میں کیا اِس بات میں کوئی دوسری رائے ہوسکتی ہے کہ آج پاکستان کیلئے بالخصوص اور اُمت مسلمہ کیلئے بالعموم امن وسلامتی کا حصول زندگی اور موت کا مسئلہ بن گیا ہے۔ کیا امن کے حصول کیلئے تعلیم وتربیت کے علاوہ کوئی اور ذریعہ یا فارمولا اور اصول بھی موجود ہے۔ کیا نبی کریم ﷺ پر خاتم النبیینؐ کی حیثیت سے اُترنے والی وحی کا پہلا لفظ اقرأ نہیں ہے؟ کیا اِس اقرأ میں وہ انقلاب آفریں چھپا ہوا نہیں ہے جو قوموں کو بامِ عروج پر پہنچاتا ہے۔ کیا ہم اب بھی کہ پورا ملک زخموں سے چوُر چوُر ہے اور عوام پریشان اور بے چین ہیں۔ اِس نسخہ اکسیر سے شفایاب ہونے کی کوششیں شروع نہیں کرینگے کہ کہ ملک میں بامقصد اور باہنر تعلیم عام کریں اور پھر تعلیم کے ذریعے وہ معاشرہ وجود میں آسکے جہاں امن سلامتی اترتی اور چین وسکون ہو۔

یقیناً آج ہر پاکستانی کی یہ دعا اور خواہش ہے کہ وطنِ عزیز میں ایک ایسی فضاء قائم ہو جس میں انسانیت کو سکون وآرام میسر آئے۔ اِس کا حل اِس کے سِوا کہیں نہیں ہے کہ ہم میں سے آج ہر آدمی اپنے آپ سے یہ سوال کرلے کہ کون سا اِسلام افضل ہے یقیناً آج کا افضل ترین اِسلام یہ ہے کہ ہماری زبان اور ہاتھ دوسرا انسان محفوظ ہو اور ہم سب علم کے حصول پر ساری توجہ اور توانائی کرکوز کردیں۔ اس تسلسل میں آج یہ بات تو ہمیں بالکل نہیں بھولنا چاہئے کہ کیمپوں سے ہمارے متاثرین بہن بھائیوں کو کھانا کھلانا آج کا افضل اِسلام ہے اور ایک دوسرے کو سلام کرنا اور اِس کو عام کرنا امن وسلامتی کی اشاعت اور قیام میں ایک اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔

اللہ پاکستان کو ہر بلا سے محفوظ رکھے۔ آمین یارب العالمین۔

☆......☆......☆

مرحبا یا رمضان المبارک

الحمدللہ! کہ ایک دفعہ پھر رمضان المبارک کا خوبصورت مہینہ ہمارے سروں پر جلوہ فگن ہوا ہی چاہتا ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اپنی حیات مستعار میں ایک دفعہ پھر اپنے گناہوں، خطاؤں اور کوتاہیوں کو معاف کروانے کے لئے اللہ کے حضور گڑ گڑا کر دعائیں طلب کرنے کے مواقع حاصل کریں گے۔

ہم روایتی مسلمان سال میں ایک دفعہ آنے والے اس بابرکت مہینے کو بھی روایتی طور پر لے کر گزار لیتے ہیں۔ جبکہ حقیقت میں یہ وہ مہینہ ہے جس کے ایک ایک لمحے کا اس زندگی میں کوئی نعم البدل ہی نہیں۔ جس طرح زندگی میں مختلف چیزوں پر جوبن [معراج] آتا ہے، مسلمانوں کی سالانہ زندگی میں یہ نیکیوں کی فصلِ بہار کا مہینہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے معاشرے میں اس مہینہ میں نیکیوں، محبتوں، ایثار وقربانی، صبر وتحمل، عبادت الٰہی میں خشوع وخضوع اور ایک دوسرے کے لئے اخوت و بھائی چارے کی وہ فصل لہلہا اٹھے جسے کبھی زوال نہ ہو۔

یہ وہ مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مغفرت کے بہانے ڈھونڈتا ہے کیا اللہ تعالیٰ کے اس بے مثال جود وسخا اور کرم نوازی سے کوئی بھی جھولیاں بھر کر مستفیض ہونے کے مواقع کو ضائع کرنے کا متحمل ہو سکے گا۔ کسی بھی صاحب عقل وشعور سے اس قسم کی کوتاہی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے معاشرہ میں عام طور پر رمضان المبارک کے مبارک ایام کو زندگی کے مختلف شعبوں سے وابستہ مختلف طبقات جس انداز میں برتتے ہیں وہ قطعاً کسی اچھے مسلمان کے شایانِ شان دکھائی نہیں دیتا۔

ہمارے ہاں عام طور پر رمضان المبارک کی آمد سے تین چار روز بلکہ ہفتہ پہلے کھانے پینے کی اشیاء خریدنے کے حوالے سے دکانوں اور بازاروں میں ایک ایسا ازدحام بن جاتا ہے کہ الامان والحفیظ۔ اِس عمل کا جو ردِعمل معاشرہ کے اُن افراد پر مرتب ہوتا ہے جو پورے مہینے کیلئے خریداری کی قوتِ خرید نہیں رکھتے، وہ مہنگائی کے اوپر ایک اور مہنگائی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ جس کے نتیجے میں معاشرے کے اُن افراد کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے جو روزانہ کی بنیادوں پر پیاز روٹی کا بندوبست کرنے کے لئے دہاڑی کرتے ہیں۔ چونکہ ایک دِن میں پورے مہینے کی خریداری کی وجہ سے مارکیٹ میں سپلائی کا توازن بگڑ جاتا ہے لہٰذا

اشیاء کی قیمتیں مصنوعی طور پر بڑھ جاتی ہیں کیونکہ خریدار زیادہ ہوتے ہیں۔لہٰذا صاحبِ استطاعت لوگوں پر فرض ہے کہ غریبوں اور متوسط طبقہ کی خاطر رمضان المبارک میں دو تین دِن سے زیادہ کیلئے خریداری کو ذرا معطل رکھیں۔اس پر نہ صرف اُن کو ثواب ملے گا بلکہ ملک کے مارکیٹ پر بے جا دباؤ بھی نہیں آئیگا جس کے نتیجے میں پھر پڑوسی ممالک سے غیر معیاری اشیاء کی سمگلنگ بھی شروع ہوجاتی ہے جن سے ملک کی اقتصادیات پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔اسکے علاوہ ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ یہی وہ مہینہ ہے جس میں مسلمانوں کو اپنے جذبات وخواہشات کو قابو میں رکھنے کی تربیت کا درس حاصل کرنا ہوتا ہے۔دُنیا کی جتنی بھی اقوام عذاب الٰہی کی شکار ہوکر فنا کے گھاٹ اُتر چکی ہیں اُن میں زیادہ تر نفس اور طمع وحرص کی بیماریوں کی شکار ہوئی تھیں۔نبی ﷺ نے اپنی اُمت کو اِن بیماریوں سے محفوظ رکھنے کیلئے فرمایا تھا" مجھے دو چیزوں [پیٹ اور جنسی خواہشات] کو راہِ راست پر رکھنے کی ضمانت دے دیں۔مجھ سے جنت کی ضمانت لے لیں"۔اِن دو چیزوں کو قابو میں رکھنے کیلئے رمضان کے روزوں سے بہترین اور تیر بہدف نسخہ آج تک انسانیت کو نہیں ملا ہے لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ رمضان المبارک میں بجائے اِس کے کہ روزہ اِس لئے رکھا جائے کہ افطار ہی کو مقصود نظر رکھ کر کھانے پینے کی حد سے نکلی ہوئی خواہشات کی تکمیل کیلئے ضرورت سے اشیاء خرید کر دیگر لوگوں کے حقوق کو مجروح کیا جائے۔رمضان المبارک کے مہینے میں حد درجے کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اس مہمان مہینے کے ایک ایک لمحے کو عبادت اور ثواب میں تبدیل کر کے توشۂ آخرت میں اضافے کا سبب بنایا جائے۔

تیسرا اہم مقصد اِس مبارک مہینے کا مسلمانوں میں صبر و برداشت کا مادہ پیدا کرنا ہے۔لہٰذا اگر کوئی اپنے روزوں کو قیمتی بنانا چاہتا ہے اور صحیح معنوں میں روزہ رکھنا چاہتا ہے تو اُس پر فرض ہے کہ صبر کے صحیح مفہوم سمجھ کر اِس پر عمل کرے۔

سادہ الفاظ میں صبر کے معنی ہیں۔برائیوں اور گناہوں سے صبر، یعنی انسان کو لذت آمیز گناہ کرنے کے سارے مواقع میسر ہوں لیکن پھر بھی وہ رمضان کے اثرات کے تحت اُس سے اِرادۃً باز رہے۔

دوسرا مفہوم صبر کا یہ ہے کہ انسان اطاعت الٰہی پر صبر کرے یعنی عبادات سے کہیں تھکاوٹ کا احساس پیدا نہ ہو۔رمضان المبارک میں باجماعت نماز، تلاوت، تراویح اور تہجد اور دیگر اچھے کاموں میں اطمینان محسوس ہو۔تیسرا مفہوم صبر کا یہ ہے کہ رمضان المبارک میں بھوک پیاس اور سحری کو اٹھنے سے جو تھوڑی بہت تکلیف ہوتی ہے

اسے برداشت کرنے کے لئے صبر سے کام لیا جائے۔

ان تینوں ''صبروں'' کو جمع کر کے معاشرہ میں خیر وفلاح کے کام کے لئے تیار رہنا عین منشاء ومرضیٔ خداوندی ہے اور اسی طرح رمضان کے روزوں کا مطلوبہ ثواب بھی ملتا ہے۔

رمضان کے روزوں کو صرف بھوک پیاس ملنے سے ہٹا کر صحیح معنوں میں بامقصد بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس مبارک مہینے میں روزہ داروں کی چوبیس گھنٹے کی زندگی کے معاملات اور اخلاقیات اسلام کے معیار کے مطابق ہو جائیں، اسلامی اخلاقیات کا معراج یہ ہے کہ ؎

میری زبان وقلم سے کسی کا دل نہ دکھے

انسانی حقوق کا خیال رکھ کر رمضان کے روزوں کے میٹھے پھل کا شیریں ذائقہ چکھا جا سکتا ہے۔اس کے علاوہ ایک خاص بات اس دفعہ رمضان المبارک کی یہ ہے کہ ہمارے صوبہ سرحد کے باجوڑ کے علاقے سے جو لوگ اپنے دیس میں اجنبی بنا لئے گئے ان کی ضروریات کا روزوں میں خیال رکھنا صاحب ثروت واستطاعت لوگوں پر عین فرض ہے۔لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم رمضان المبارک میں بھائی بھائی بن کر عام لوگوں کے حقوق کا خیال بالعموم اور مردان وچارسدہ کے مختلف علاقوں کے کیمپوں میں بہت تکلیف دہ حالات میں پھنسے ہوئے لوگوں کا بالخصوص خیال رکھیں تو ایسے ہی لوگ رمضان کے روزوں کا وہ ثواب پائیں گے جو آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی میں ایک ایسی نعمت کی صورت میں ملے گا کہ وہ حیران ہو جائیں گے۔رمضان المبارک کے لمحات کو ضائع نہ کریں۔

اپنا خیال رکھیں اور مبارک ساعتوں میں وطنِ عزیز کی سلامتی اور ان مسائل سے نکلنے کی دعائیں کرنا نہ بھولیں۔ہم رمضان المبارک کو دل کی گہرائیوں سے "مرحبا رمضان المبارک" کہتے ہیں۔

☆......☆......☆

مذاہب کے درمیان مکالمہ، بھارت، اسرائیل اور مغرب کا مذموم کردار

میری مختصر، کم مایہ، ناقص اور ادھوری سی علمی زندگی میں جب میں نے شعوری مطالعہ شروع کیا تو اسلام کے مطالعہ کے بعد جن دو موضوعات نے مجھے اپنے گہرے مطالعے پر مجبور کیا وہ ہندومت اور یہودیت کا مطالعہ تھا۔ پندرہ سال تک مسلسل اور 9/11 کے بعد بالخصوص ان دو مذاہب کی تاریخ، تہذیب وثقافت، ان کی تاریخ کے مختلف ادوار، نجی اور عوامی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے اصول وضوابط، وطن، ریاست اور حکومت کے بارے ان کے آئین ودساتیر، خالص مذہبی قوانین وضوابط اور مذہبی لٹریچر وغیرہ کا اپنی توفیق، وسائل اور فہم وادراک کے ساتھ گہرا اور عمیق مطالعہ کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کیا۔ لیکن ان دونوں قوموں کا دنیا کے دیگر اقوام اور بالخصوص مسلمانوں کے ساتھ ماضی اور حال کے حوالے سے تعلقات کا خاص مطالعہ کرنے کی کوشش کی۔

اسلامیات کے ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے میری کوشش ہوتی ہے کہ دنیا میں کسی بھی موضوع پر معلومات حاصل کرنے کے لئے یا اپنے مطالعہ کے لئے ایک بنیاد فراہم کرنے کی غرض سے قرآن عظیم الشان اور احادیث مبارکہ سے استفادہ کروں۔

مذاہب اور ادیان اور مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے لئے اسلام کی تعلیمات میں جو بنیادی رویہ اور طرز عمل موجود ہے وہ رواداری اور بقائے باہمی کے اصولوں کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مبعوث کردہ جتنے پیغمبروں کے قصے اور واقعات قرآن پاک اور احادیث میں بیان ہوئے ہیں ان سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اہل کفر وبدعات اور منکرین ومتمرّدین نے پیغمبروں کی مبنی برحق تعلیمات کی مخالفت میں ان کے خلاف ہر حربہ استعمال کرنے سے دریغ نہیں کیا اور پھر بھی جب حق کا راستہ روکنے میں ناکام رہے تو دلیل، حجت، عقل ومنطق، شائستگی اور تہذیب وتمدن اور تحمل وبرداشت کے سارے اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انبیائے کرام کی جانوں کے درپے ہوئے۔ اس قسم کے واقعات کی خود یہود کی مذہبی کتب اور تواریخ سے آج بھی تصدیق کی جاسکتی ہے۔

مکہ مکرمہ میں مکہ کے ہر قبیلہ سے ایک چاق وچوبند نوجوان کے انتخاب کے بعد ایک ڈیتھ سکواڈ کے

ذریعے آپؐ کے گھر کا محاصرہ اس لئے کرایا گیا تھا تاکہ آپؐ سے گلوخلاصی کی جائے [نعوذ باللہ] اللہ تعالیٰ نے آپ کو حفاظت کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا موقع عطا فرما کر مسلمانوں کو جائے پناہ وامان فراہم کیا۔ نبی ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ مکہ کے کافروں اور مدینہ کے یہودیوں نے جو کچھ کیا وہ اسلامی تاریخ کا ایک ناقابلِ فراموش حصہ ہے اور تاریخ کے اسی حصے کا دنیا کی آج تاریخ پر بہت گہرا اثر ہے۔ مسلمانوں نے مدینہ منورہ میں ایک مضبوط، باوقار اور ایک جاندار و توانا پیغام حق کے علمبردار امت کی حیثیت سے جب چار دانگ عالم میں حکمران کی حیثیت سے چھا گئے تو دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ جہاں مسلمان غالب و حکمران کی حیثیت سے رہے تو دنیا میں امن وسکون غالب رہا۔ لیکن جونہی مسلمان زوال پذیر ہونا شروع ہو کر زوال کے شکار ہو کر مغلوب یا کمزور ہو کر رہے تو غیر مسلم دنیا بالخصوص یہود و ہنود نے مسلمانوں کو بیخ وبُن سے اکھاڑ پھینکنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

نبی ﷺ کے عہد مبارک میں ستائیس غزوات لڑی گئیں اور یہ ساری غزوات کفار، یہود اور نصاریٰ کی طرف سے مسلط کی گئیں۔ صلیبی لڑائیاں، سپین میں مسلمانوں کے خلاف نصاریٰ کی لڑائیاں، عہد شکنیاں، پھر سترھویں صدی سے لے کر خلافتِ عثمانیہ کے خلاف برطانوی ریشہ دوانیوں تک، مسلمانوں کو ٹکروں میں بانٹنے کے بعد ان سامراجی حکومتوں کا قیام، عربوں کے دل اور ارضِ فلسطین پر اسرائیل کی ہر لحاظ سے ناجائز ریاست کا وجود میں لانا اور امریکہ و مغرب کی طرف سے ہر قسم کا جا و بے جا تعاون و مدد فراہم کرنا، ہندوستان میں ہندوؤں کا اسلام دشمنی میں انگریزوں کے ساتھ، "الکفر ملة واحدة" کے تحت ایک ہونا، اور پھر قیام پاکستان سے لے کر آج تک ہر قسم کا معاندانہ رویہ اختیار کرنا اور اپنے سے چھوٹے رقبہ، آبادی اور وسائل پر مشتمل مملکت خداداد کو ہر قسم کا نقصان پہنچانے کے حیلے حربے ڈھونڈنا اور اختیار کرنا، یہود و ہنود و نصاری کی وہ تاریخ ہے جسے ہم بھولنا بھی چاہیں تو یہ لوگ ہمیں بھلانہیں دیتے۔

9/11 کے بعد تو ہمارے دانشوروں کے ایسے ایسے تھنک ٹینکس بھی پیدا ہوئے جنہوں ہمیں سمجھایا کہ امریکہ، مغرب، بھارت اور اسرائیل کے خلاف مخالفانہ جذبات رکھنا یا ان ممالک کی مسلمانوں پر ظلم و زیادتی، جبر وستم کے باوجود بھی مدافعانہ طرز عمل اختیار کرنا زمینی حقائق کے خلاف ہے کیونکہ یہی ممالک دفاعی لحاظ سے خدائے زمین ہونے کے علاوہ دنیا کے رزق کے خزانوں کے بھی مالک ہیں لہٰذا عقل و دانش کا تقاضا یہی ہے کہ

ان کی ہر بات پر اٰمَنّـَا وَصَـدَّقْنَا کہا جائے خواہ اس کے نتیجے میں ہم سب صفحۂ ہستی سے مٹ کر ان کے الٰہی ریاست (Divine State) کے قیام کے سبب ہی کیوں نہ بن جائیں۔

ہمارے بعض مذہبی علماء اور دانشوروں نے آج کے ید علیا (Upper hand) کے مالک یہود ونصاریٰ کو قرآن وحدیث میں مذکور یہود ونصاریٰ سے اس لحاظ سے ممیّز کرنے کی کوشش کی کہ قرآن وحدیث میں جن یہود ونصاریٰ وغیرہ کا ذکر مذموم پیرائے میں ہوا ہے یا ان کے متعلق جو پیشنگوئیاں اور تعلیمات سورۂ بقرہ، سورۂ نساء، سورۂ انفال، سورۂ توبہ میں بالخصوص اور دیگر سورتوں میں بالعموم بیان ہوئی ہیں وہ نبی ﷺ اور خلفائے راشدین کے عہد مبارک میں موجود یہود ونصاریٰ کے بارے میں ہیں۔ ہم نے نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے ان تفردات کو قبول کیا تا کہ امن وآشتی قائم ہو کر ان کی دانشوری اور اجتہادات سے امت مسلمہ استفادہ کر کے اپنا حال و مستقبل سنوار سکے۔

لیکن اس کے باوجود ہمارے یہ ''کرم فرما'' ہمیں سانس لینے کا حق بھی دینے کے روادار نہیں۔ کاش ہمارے ہاں ''مذہب کے درمیان مکالمہ'' مذاہب کے درمیان ہم آہنگی، تداخل فی العقائد (Inter Faith) جیسے خوبصورت، علمی سلوگنز کے تحت یہود وہنود اور نصاریٰ کے ساتھ شیر وشکر ہونے سے پہلے ان اقوام کی مذہبی تعلیمات، مذہبی تاریخ اور ان کی موجودہ مذہبی کمسٹری کا گہرا مطالعہ کرتے۔ یہودیوں کی پروٹوکول (The Protocol of Learned Elders of Zions) میں یہ بات صریح انداز میں موجود ہے کہ۔۔۔ ڈارون، مارکس اور نطشے کا پروگرام ہم نے مرتب کیا ہے۔ ہم ان کے افکار کی خوب خوب اشاعت کریں گے۔ ان علوم سے غیر یہودی فکر میں جو زوال پیدا ہوگا وہ بالکل ظاہر ہے۔ ہمیں غیر یہودیوں بالخصوص مسلمانوں کے اخلاقی دیوالیہ پن کی کوشش کرنا چاہیئے تا کہ دنیا پر ہماری حاکمیت مسلط ہو سکے۔ فرائڈ (Freud) ہمارا ہے، اور وہ جنسی تعلقات کو کھلا کھلا اچھالتا رہے گا تا کہ کوئی مقدس شے باقی نہ رہے''۔

کلیساءِ مغرب نے پاپائے اعظم کی صورت میں اہل یورپ کے ذہین لوگوں کو مذہب سے متنفر اور عام لوگوں کو یہاں تک غلام بنایا کہ شاہنشاہِ روم ہنری چہارم کو دائرۂ مسیحیت سے خارج کر کے تین شب وروز ننگے پیر اطالیہ کے قلعہ کنوسا کے دروازے پر عاجزی کرتے ہوئے معافی مانگنے پر مجبور کیا۔ لیکن دوسری طرف کلیسا کے خلاف سائنس کی جدید نشۂ علم سے سرشار سائنس دان اس حد تک آگے چلے گئے کہ کلیسا سے متصادم

ہوگئے۔ جس کے نتیجے میں سائنس اور جدید علوم کا رخ ہمیشہ کے لئے اہل کلیسا کے خلاف نفرت اور مذہب بیزاری کی طرف موڑ دیا گیا۔ اس مادر پدر آزاد جدیدیت کے کاروان میں یورپ کی کم وبیش سارے ماہرین سماجیات، اور سائنس دان وفلاسفر شامل ہوگئے۔

مغرب میں مسلک لادینیت کو قبول عامہ حاصل ہوجانے کے بعد اور سائنسی افکار کو غلبہ حاصل ہوجانے بعد وہاں ایک نئے انسان اور نئے معاشرے نے جنم لیا جس کا مذہبی معتقدات، اخلاقی معیارات اور اقدارِ حیات کے ساتھ کوئی سروکار نہیں رہا۔ اب یورپ پر تعقل پسندی (Rationalism) واقعیت پسندی (Realism) کا چرچا ہوا جس کے تحت اقتدار اور مادی منافع کے لئے سب کچھ جائز قرار پایا اور انفرادی سطح پر خودغرضی اور ریاستی سطح پر اقتدار کے راستے میں اگر کسی فرد یا قوم کو رکاوٹ پایا جاتا ہے تو مغرب اور امریکہ کا ''مہذب انسان'' ایک وحشی سے بھی بدترین بن جاتا ہے۔ پھر اس کی نگاہ میں کسی انسان کی قدر و قیمت مکھی اور مچھر سے زیادہ نہیں رہتی۔ پھر اس کی تباہی اور غارتگری سے کوئی نہیں بچ سکتا۔

دنیا میں کلیسا کے خلاف ردِعمل کے طور پر چھا جانے والی سائنسی اور جدید علوم پر مبنی فلسفۂ حیات کے غالب آجانے کے بعد ہسپانوی اور پُرتگالی سفید فام اقوام نے ہنود احمر [Red Indians] اور میکسیکو (Mexico) اور پیرو (Peru) کی اقوام اور ان کی شاندار تہذیب وتمدن کا نام ونشان مٹا ڈالا۔ مہذب برطانویوں نے نائجر اور نائجیریا کے لاکھوں حبشیوں کو بندوقوں کے ذریعے جانوروں کی طرح ہانک کر بحری جہازوں میں بھر کر امریکہ پہنچایا اور زنجیروں میں قید رکھ کر مزدوروں کی طرح استعمال کیا۔ روسیوں نے وسطی ایشیا کے ترک قبائل کے کتنے لوگوں کو سائبیریا کے برفستانوں میں ٹھٹھر ٹھٹھر کر فنا کے گھاٹ اترنے پر مجبور کیا۔ ہٹلر کی تباہی تاریخ کا انمٹ حصہ ہے۔ امریکہ کے صدر روز ویلٹ نے یالٹا کانفرنس کے دوران ۱۹۴۵ء میں اپنے حلیفوں برطانیہ کے ونسٹن چرچل اور روس کے اسٹالن سے ایٹم بم استعمال کرنے کا مشورہ طلب کیا لیکن اس کی غیر معمولی ہلاکت خیزیوں کا ذکر بھی کیا۔ اسٹالن نے جواباً کہا ''میں نے روس میں سوشلزم کے تحت اجتماعی کاشت کاری (Kolkhoz) کی سکیم کے نفاذ کے لئے افراد کو قتل کردیا حالانکہ وہ زمانہ امن تھا۔ اب تو جنگ کا زمانہ ہے، اس ہلاکت خیزی سے کیوں گھبراتے ہو۔ اسی طرح جنوبی افریقہ اور زمبابوے میں ایک طویل مدت تک ایک سفید نسل کی اقلیت نے وہاں سیاہ فام اکثریت کو جانوروں کی طرح باڑوں میں رہنے پر

مجبور کیا تھا۔ علامہ اقبالؒ نے شائد انہی واقعات کے پیش نظر فرمایا تھا:

جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

مغربی معاشرے کی اسی صورتحال کو دیکھتے ہوئی اریک فروم (Erich Frome) نے بجا کہا تھا۔ ''مغرب میں بیسوی صدی کا مسئلہ یہ تھا کہ خدا مر گیا، لیکن اب اکیسویں صدی کا مسئلہ یہ ہے کہ ''انسان'' بھی مر گیا۔

مغرب کے فلاسفہ اور حکماء نے کائنات اور انسان کے بارے میں تعقل پسندی کے تحت جو نظریات قائم کئے اس کے ذریعے وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور انسانی معاشروں کو بھی گمراہی کے غاروں میں دھکیل دیا۔ جس کے نتائج بد سے آج نہ صرف مغربی معاشرہ بلکہ پوری انسانیت بری طرح پریشان ہے۔ ذرا ان مغربی مفکرین کی پرواز خیال تو ملاحظہ ہو۔

ارسطو: انسان دو ٹانگوں والا جانور ہے۔

ڈیکارٹ: انسان ایک ایسی مشین ہے جس میں روح موجود ہے۔

روسو: انسان ایک وحشی ہے، البتہ اس کو سدھایا جا سکتا ہے۔۔

ہیوم: انسان کو بدمعاش ہی تصور کرنا چاہئے۔

ڈارون: انسان ایک اعلیٰ درجے کا حیوان ہے۔

جب مغربی مفکرین کے نزدیک انسان شرارت اور حیوانیت کا پتلا ٹھہرا تو انسانی معاشرہ لامحالہ شرارت سے پُر ہوگا۔ شرافت اور انسانیت وہاں کیسے پروان چڑھ سکتی ہے۔

اکیسویں صدی میں یورپ اور امریکہ میں مسلکِ لادینیت پیش کرنے والوں کا تھیسز (Thesis) یہ تھا کہ دنیا میں جنگوں اور خون ریزی کا سبب مذہب ہے۔ اگر مذہب کو سیاست اور اجتماعی امور و معاملات سی بے دخل کر دیا جائے اور سیکولرازم کو دنیا میں عام کر دیا جائے تو دنیا سے ہمیشہ کے لئے جنگوں کا خاتمہ ہو جائے گا اور انسان امن و سکون کے ساتھ زندگی بسر کرے گا۔ اس دل خوش کن وعدہ کی وجہ سے ہی

مغرب میں مذہب اور مذہبیات کو ترک کر دیا گیا اور لادینیت کو قبول کر لیا گیا۔ اٹھارویں، انیسوی اور بیسویں صدی کے تقریباً تمام فلاسفہ سائنس دان، سیاست دان اور مفکرین اسی خیال خام کے حامی تھے۔ مگر اب دنیا کے باشعور انسان کو یہ بات معلوم ہوگئی ہے کہ امریکہ اور یورپ کی الٹراماڈرن سوسائٹی (Ultra

(Modern Society) میں اور ہندوستان کی نیم الٹرا ماڈرن معاشرے میں سیکولرازم کی یہ ساری شرائط اور دعوے پوری طرح پائی جاتی ہیں مگر آج بھی حال یہ ہے کہ ؎

ڈھونڈ رہا ہے فرنگ عیش جہاں کا دوام

وائے تمنائے خام، وائے تمنائے خام

بیسویں اور اکیسویں صدی میں جب سائنس کی بے مہابا قوتیں اور مسلک لادینیت اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہو گئے، تب دنیا نے دیکھا کہ آج کی نام نہاد لادینیت کے تحت جنگیں مذہب کے تحت برپا جنگوں سے کہیں زیادہ تباہ کن اور بھیانک ہیں۔ پہلی جنگ عظیم سے لے کر 9/11 سے ہوتے ہوئے آج کی دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر جو خون ریزی جاری ہے یہ سب مغرب کے اسی فلاسفی کا نچوڑ ہے۔ یہ خون ریزی اس وقت عالم اسلام کے خلاف بالعموم اور پاکستان کے خلاف بالخصوص تین ہم مذہب اور ہم اہداف اقوام یہود، ہنود اور نصاریٰ کی طرف سے زور وشور کے ساتھ جاری ہے۔ یہود نے فلسطین پر، ہنود نے کشمیر اور پاکستان پر، نصاریٰ نے عراق، افغانستان اور اب پاکستان اور عالم اسلام پر ایسے خونیں پنجے گاڑے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے جناب رسول اللہ ﷺ کی نقشِ قدم پر قدم نہیں رکھا تو ان کے بچنے اور محفوظ رہنے کی امکانات کم سے کم بلکہ معدوم ہوتے جا رہے ہیں۔

ہندوستان کا پاکستان کے حالیہ ہنگامۂ الزامات اور افواج کا راجستھان کی سرحدوں پر لانا، امریکہ، برطانیہ اور مغربی اقوام کا ہندوستان کی حمایت کرنا اور اسرائیل کا مظلوم ومعصوم اور نہتے فلسطینی خواتین، بچوں اور بوڑھوں کو میزائل حملوں سے شہید کرنا، ان کی دانست میں سب اسی پرانے کھیل کا فیصلہ کن راؤنڈ ہے۔ لیکن ایک ہم ہیں کہ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے یا شتر مرغ کی طرح سر ریت میں دبا کر یہ گمان کئے جا رہے ہیں کہ ہم امریکہ، یورپ، اسرائیل اور ہندوستان کے متعصب، تنگ نظر، مذہبی جنونیوں کو مکالمے، مناظرے، مباحثے عدم تشدد، دہشت گردی کے خلاف فرنٹ لائن اتحادی ہونے کے ذریعے نرمی، تعاون، محبت اور ترکِ تشدد پر مائل کرلیں گے، تو اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ این خیال است ومحال است وجنوں است۔ ان اقوام کی تاریخ سائیکی اور کیمسٹری کا علاج صرف اور صرف صحیح معنوں میں یہ ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو پہچان لے۔ اپنے آپ کو پہچاننے کا عمل بہت بڑا عمل ہے اس لئے فرمایا گیا مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

[جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا] علامہ اقبالؒ نے بھی شائد ایسے ہی حالات کے لئے افغانوں، پاکستانیوں اور مسلمانوں سے فرمایا تھا:ـ

ڈھونڈ کے اپنی خاک میں جس نے پایا اپنا آپ
اس بندے کی دہقانی پہ سلطانی قربان
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان [مسلمان]

☆......☆......☆

مذاہب کے درمیان مکالمہ [ڈائیلاگ]

دنیا کی تاریخ میں بڑے بڑے معاملات کو سلجھانے کے لئے دو افراد، جماعتوں، قوموں اور ملکوں کے درمیان ہمیشہ سے مکالمہ و گفتگو کو بہت اہمیت حاصل رہی ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے بنی نوع انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر اور عقل جیسی صفت سے نواز کر اچھے برے کی تمیز سکھائی۔ انسان نے جب بھی عقل وفہم اور مسلمہ اصولوں سے کام لیتے ہوئے اپنے اہم اور نازک ترین معاملات کو حل کرنے کی کوشش کی ہے وہ ضرور کامیاب ہوا ہے۔ لیکن جب کبھی انا، ضد، تعصب، کینہ کدورت، اور منافقت کو دل میں رکھ کر مکالمے یا گفتگو کی میز پر آیا ہے تو معاملہ سنوارنے سلجھانے کی بجائے ہمیشہ مزید الجھن کا شکار ہوا ہے۔

آج کل عالمی سطح پر دو موضوعات بہت گرم مسائل (Hot Issues) میں شمار ہیں۔ ایک دہشت گردی کے خلاف جنگ (War on Terror) اور دوسرا، مذاہب کے درمیان مکالمہ اور انٹر فیتھ۔ دہشت گردی اور مکالمہ بین المذاہب کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ مغرب اور مسلمانوں کے درمیان اس وقت جو صورتحال برپا ہے، مغرب اس سب کچھ کو دہشت گردی کے ساتھ جوڑ کر اس کے خلاف اعلان جنگ کر کے لڑ رہا ہے اور مسلمان ممالک کے حکمران طبقہ کو بھی اپنے ساتھ مجبوری، دھونس، دھاندلی اور لاٹھی وغیرہ کے ذریعے ہانک کر اس جنگ میں جھونکنا چاہتا ہے۔ مغرب کا الزام ہے کہ چونکہ دہشت گردوں اور دہشت گردی کا تعلق اسلامی ممالک سے ہے۔ لہٰذا مسلمان حکومتوں کو ہی اپنے اپنے ممالک میں ان کے خلاف ہراول دستہ کے طور پر لڑنا ہوگا ورنہ پھر ہمیں اجازت دینی ہوگی کہ اپنے بی باون اور بغیر پائلٹ ڈرون استعمال کر لیں۔ ان حالات نے مسلمان ممالک کو ”نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن“ کے مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔

مسلمان ممالک میں ایک آدھ کے سوا کسی میں یہ جرأت ابھی تک نہیں ہوئی کہ مڑ کر مغرب سے صرف اتنا کہہ سکے کہ حضور! ذرا یہ بتائیے کہ دہشت گردی کی تعریف کیا ہے، اور موجودہ صورتحال کے پیدا کرنے میں بنیادی ہاتھ اور کردار آپ کا ہے کہ ہمارا۔ سوویت یونین کی دھجیاں بکھیرنے کے لئے CIA نے افغانوں، عربوں اور پاکستانیوں کو تھوک کے حساب سے استعمال کرنے کے بعد کبھی بھولے سے بھی ان بیچاروں کی خبر نہیں لی۔ جس کے نتیجے میں افغانستان میں اقتدار کا فیصلہ بزورِ بازو ہونے لگا اور اسی کے ردِ عمل میں طالبان

پیدا ہوئے۔طالبان افغانستان میں ٹھیک ٹھاک امن وامان قائم کر کے منشیات پر قابو اور وار لارڈز کو ٹھکانے لگا رہے تھے لیکن آپ کو اس سے اسلامی ریاست کی بُو آنے لگی لہٰذا اسامہ کا ہوا کھڑا کر کے ٹوین ٹاور گرا کر ملبہ مسلمانوں بالخصوص اسامہ پر گرادیا۔اسامہ ان دنوں افغانستان میں تھا لہٰذا اس کی سزا پورے افغانستان کو ملی۔ حالانکہ طالبان نے اسامہ کو امریکہ کے حوالے کرنے کے لئے ثبوت اور دلائل مانگے تھے جو میرے خیال میں کسی بھی صاحبِ فہم کے نزدیک کوئی غیر قانونی بات نہیں تھی۔لیکن طاقتور کا پانی ڈھلوان کی طرف بھی چڑھ سکتا ہے لہٰذا چڑھائی کردی۔جس کے نتیجے میں اس وقت عالمی سطح پر عراق، افغانستان، فلسطین، کشمیر جیسے مسائل کی بناء پر حالات اس قدر الجھ گئے ہیں کہ سرا ہاتھ نہیں آتا اور مسلمان مکمل طور پر مغرب کے محاصرے میں آگئے ہیں۔اس محاصرے کے خلاف مذکورہ بالا خطوں میں مغرب کے خلاف شاید تاریخ کی عظیم ترین مزاحمت جاری ہے۔مغرب اس مزاحمت کو ختم کرنے کے لئے اور مسلمان اپنے اور علاقوں کو استعمار سے بچانے اور وقت سے پہلے آرمیگڈان [جنگ عظیم] کو روکنے کے لئے بعض مقتدر شخصیات مکالمہ بین المذاہب کی بات کو آگے بڑھانے کے لئے کوشاں ہیں۔اسی سلسلے کی ایک بڑی مجلس دو تین دن پہلے سپین کے دارالحکومت میڈرڈ میں منعقد ہوئی جس کی افتتاح سعودی عرب جیسے اہم ترین اسلامی ملک کے بادشاہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے کی۔ اس میں اسلامی دنیا اور مغرب کے مذہبی سکالرز نے مقالے پڑھے اور رابطۂ عالم اسلامی کے سیکریٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ الترکی نے مغربی صحافیوں کے تند وتیز سوالات کے جوابات دیئے۔

مسلمانوں کی عقیدتوں اور محبتوں کے مرکز ملک سعودی عرب کا مکالمہ بین المذاہب کو آگے بڑھانا بہت اچھی بات ہے لیکن ہم سب کو اس سلسلے چند بنیادی باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے تاکہ اس تگ ودو کے ثمرات ہاتھ آسکیں۔کیونکہ ہم مسلمان مذاکرات کی میز پر تاریخ میں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے رچرڈ کے ساتھ مذاکرات میں کامیابی کے سوا کچھ زیادہ اچھا ریکارڈ نہیں رکھتے۔فلسطین پر امریکہ اور اسرائیل کے ساتھ گزشتہ ساٹھ برسوں سے، اسی طرح کشمیر پر ہندوستان کے ساتھ مذاکرات ومکالمہ فائدے کی بجائے اپنوں کو نقصان کا باعث زیادہ رہا ہے۔

مکالمے کی کامیابی کے لئے بنیادی شرط فریقین کے دلوں کا اخلاص ہے۔اس سلسلے میں اگر ہم تاریخ کو کنگھالنے کی کوشش کریں تو یہ بات بدیہی طور پر سامنے آتی ہے کہ نبی ﷺ کے دورِ مبارک سے لے کر آج تک

اہل اسلام اور دیگر مذاہب کے درمیان جو مکالمے اور مذاکرات ہوئے ہیں ان میں زیادہ ''بغل میں چھری منہ میں رام رام'' کارفرما رہا ہے۔ اہلِ مغرب جب بھی مسلمانوں کے خلاف لڑلڑ کر تھک ہار گئے ہیں تو مذاکرات کا ڈول ڈالا ہے، مسلمانوں نے ان کو پھر بھی مایوس نہیں کیا ہے۔ نبی ﷺ نے میثاقِ مدینہ اور صلح حدیبیہ کر کے مسلمانوں کو اس طرف راجع فرمایا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آج ایک دفعہ پھر مسلمان مغرب کو مکالمہ کی طرف بلا رہے ہیں لیکن بنی قریظہ کا میثاقِ مدینہ توڑنے سے لے کر مصر اور اسرائیل کے درمیان کیمپ ڈیوڈ، فلسطین اور اسرائیل کے درمیان معاہدۂ اوسلو، پاکستان اور انڈیا کے درمیان کشمیر پر اقوامِ متحدہ کے قراردادوں، معاہدۂ تاشقند اور معاہدۂ شملہ تک کے سارے معاہدوں میں کہیں خوشگوار نتائج ہمارے سامنے نہیں آئے، لہٰذا دودھ کا جلا چاچھ کو بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے، کے مصداق مذاہب کے درمیان مکالمے میں بھی کم از کم یہ تو دیکھنا چاہئے کہ دوسری طرف کے لوگ اس کے ذریعے واقعی مسلمانوں کے ساتھ مکالمے کے ذریعے جاری مسائل حل کرنا چاہتے ہیں یا اس کے ذریعے مسلمانوں پر مہلک ہتھیاروں کے استعمال سے تنگ آ کر فکری محاذ پر مسلمانوں کو الجھا کر شکست دینا چاہتے ہیں۔

فریقین کے درمیان مکالمے کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ اعتماد سازی کے طور پر طاقتور اور مضبوط فریق [مغرب] کی طرف سے چند ایسے اقدامات سامنے آئیں جس سے عام لوگوں کے دلوں میں یہ بات گھر کر سکے کہ یہودی، نصاریٰ اور ہندو واقعی مسلمانانِ عالم کے ساتھ برابری کی سطح پر انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے مکالمے کو پروان چڑھا کر بقائے باہمی کے لئے بنیادیں رکھنا چاہتے ہیں۔ اس اہم مقصد کے حصول کے لئے اگر امریکہ اور نیٹو سرِ دست عراق اور افغانستان سے فوج نہیں نکال سکتے تو کم از کم ٹوکن کے طور پر اتنا تو کر لے کہ ہندوستان سے کہے کہ کشمیریوں کو سانس لینے کا موقع تو دیدو۔ اسرائیل سے کہو کہ فلسطین کے پھول جیسے معصوم و خوبصورت بچوں کے خون مقدس سے تو ہاتھ نہ رنگو۔ ہندوستان کے ایل کے ایڈوانی سے کہو کہ بابری مسجد میں اگر نماز پڑھنے نہیں دے رہے تو کم از کم اس زخمی زخمی مسجد پر کوئی پٹی تو لگا دو۔ اہل سپین سے جہاں مکالمہ بین المذاہب کا تازہ اجلاس ہوا ہے، اتنی درخواست تو کر دے کہ صدیوں سے بند پڑی مسجدِ قرطبہ میں اگر کہیں کوئی بھولا بھٹکا مسلمان داخل ہو جائے تو وہاں کے سنتری بادشاہ ان کو دو رکعت تحیۃ المسجد تو پڑھنے دیں۔

کیا پورے عالم اسلام میں کوئی ایسا گرجا بتایا جا سکتا ہے جس میں کوئی عیسائی عبادت کرنا چاہے اور

مسلمان سنتری نے اسے روکا ہو۔مملکتِ خداداد میں ہر سال سکھ پنجہ صاحب میں عبادت ورسوم کی ادائیگی کے لئے بلاخوف وخطر آتے ہیں۔ مساجد کے پہلو میں گرجے اور مندر کھلے ہیں۔ کہیں بھی مذہبی بنیادوں پر کوئی تعصب نہ ماضی میں رہاہے اور نہ اب ہے۔لیکن ماضیٔ قریب میں پرتگال، روس، فرانس، برطانیہ، اٹلی وغیرہ نے عالم اسلام پر جوشب خون مارااس کے نتیجے میں مسلمانوں کو بھیڑبکریوں کی مانند استعمال کرکے گاجرمولی کی طرح کاٹا گیا۔پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں اہلِ صلیب آپس میں لہولہان نہ ہوتے تو شاید آج بھی مسلمان ان کے ظلم وستم کے نیچے سسک رہے ہوتے۔اس ماضی قریب کی ایک ریہرسل آج بھی عالم اسلام کے بعض حصوں میں جاری ہےلیکن اگر مذاہب کے درمیان مکالمہ اس کے حل کے لئے بنیادیں فراہم کرسکتا ہےتو بہت اچھی بات ہے کیونکہ اس وقت انسانیت کو امن وآشتی اور انسانی بنیادوں پر برادری کی ضرورت ہےلیکن اس کے لئے جب تک بنیادیں مضبوط نہ رکھی جائیں عمارت پائیدار نہیں بن سکتی۔

☆......☆......☆

ناموسِ رسالتؐ ایکٹ میں مبینہ ترمیم پر تاریخی شٹر ڈاؤن، لیکن؟

مملکتِ خداداد پاکستان کے عوام نے سال ۲۰۱۰ء کے آخری مہینے کے آخری دن کو تاریخی شٹر ڈاؤن ہڑتال کو کامیاب بنا کر دنیا بھر پر ثابت کر دیا کہ پاکستان میں غربت، انارکی، تعصّبات، بے عملی، فرقہ واریت اور استعماری سازشوں کے باوجود ناموسِ رسالت پر کسی صورت اور کسی قیمت کوئی کمپرومائز نہیں ہو سکتی۔ اور کوئی کمپرومائز کبھی ہونا بھی نہیں چاہیے کیونکہ پاکستان کا قیام محمد عربی ﷺ کی خاک پائے مبارک کی میمونت کا صدقہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان بنا ہی اس لئے تھا کہ یہاں ہر طرف خاتم النبیینؐ کے مشک بار، کامل و مکمل، مقدس و مطہر پیغام کی خوشبو چار سو پھیلے گی اور ساری دنیا میں بہار آئیگی۔ شاید حضور اکرم ﷺ کی ان پیشگوئیوں کے مدنظر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے خطبات عثمانیہ میں فرمایا تھا کہ پاکستان مدینہ طیبہ کی اولین اسلامی ریاست کے بعد دنیا کی دوسری اسلامی ریاست ہے۔

مسلمانانِ برصغیر کی تاریخ پر جن کی نظر ہے ان سے یہ بات کسی طرح بھی پوشیدہ نہیں کہ ہمارے اسلاف اور آباؤ اجداد کے پیشِ نظر قیام پاکستان کے لئے جان مال اور آبرو کی قربانیاں پیش کرنے کا مقصد اس کے سوا کچھ بھی نہیں تھا کہ اس پاک وطن میں پاک نبیؐ کا پاک قانون نافذ ہوگا۔ جس کے نتیجے میں یہاں، ایک پاک معاشرہ تشکیل پائے گا۔ جس میں ہر شخص کو بلا امتیاز و تفرق اس کے بنیادی حقوق ملیں گے اور ان کی جان، مال آبرو، محفوظ ہوگی۔ اگرچہ قیام پاکستان کے بعد ساٹھ برسوں میں قیام پاکستان کے محرکات و مقاصد کے بارے میں جتنے منہ اتنی باتیں کر کے اپنوں اور غیروں نے نئی نسل کی نظروں میں وہ اہداف اور مقاصد دھندلانے کی کوشیش کی ہیں، اور وہ جزواً اس میں کامیاب بھی ہو گئے کیونکہ صرف چوبیس برس بعد مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا اور اس عظیم سانحہ کے وقوع پذیر ہونے اور باقی ماندہ پاکستان میں خاتم النبیین ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کا نفاذ نہ ہونے کے اسباب بھی اس فکری کج روی کا نتیجہ ہے کہ تحریک پاکستان اور قیامِ پاکستان کے بعد بعض نے اس کو انگریز کی سازش اور بعض نے ہندوؤں کی معاشی غلبہ سے حصول نجات قرار دیا۔ ہوسکتا ہے کہ برطانیہ کے اپنے مقاصد ہوں اور ان کے حصول کے لئے کوئی چال چلی ہو اگرچہ تاریخ اور شواہد اس بات کی تائید نہیں کرتے۔ اس بات میں بھی شک نہیں کہ ہندوستان کی تجارت ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی اور مسلمانانِ ہند کی

اکثریتی آبادی ہندو مہاجنوں کے رحم وکرم پر تھی، لیکن یہ یا اس قسم کے دیگر چیزیں ایک عظیم مقصد کے ساتھ وابستہ اس طرح جزویات ہوسکتی ہیں جیسے کمرہ تعمیر کرتے وقت اس میں روشن دان رکھا جائے۔ کوئی بھی روشن دان کے لئے کمرہ نہیں بناتا بلکہ روشن دان گھر اور عمارت کا لازمی حصہ ہوتے ہیں۔ لہذا اس قسم کی باتیں پلوں کے نیچے بہت سارا پانی بہنے کے کے بعد بھی قیام پاکستان کا عظیم اور اصل مقصد کم نہیں کرسکا۔ علمائے تحریک پاکستان، علامہ اقبالؒ، قائداعظمؒ اور مسلمانانِ ہند کے عظیم جدوجہد کی ایک ایک حرکت سے یہ بات روزِ روشن کی طرح آج بھی عیاں ہے کہ قیامِ پاکستان کا مقصد اس خطہ ارض پر ایک ایسی ریاست وحکومت کا قیام تھا جہاں انسان کو ۱۴۰۰ سو سال بعد ایک ایسی لیبارٹری میسر آئیگی جہاں وقت کے نت نئے تقاضوں کے مطابق قرآن وسنت پر مبنی دستور وآئین اپنی فلاحی صورت میں دنیا کے سامنے ہوگی اور دنیا بھر کے انسان اپنے ہاں اس سے اس طرح خوشہ چینی کرے گی جس طرح سکنڈے نیوین ممالک میں عمر زلا (Umar's Law) نافذ ہیں۔ کیا کسی کو اس بات میں شک وتردد ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں کسی صورت میں بھی بھلائی اور اچھائی ہے وہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے علاوہ کسی اور کے ذہن رسا کا نتیجہ ہے۔ یونان اور مغرب کے فلاسفہ کی دانشوری میں جہاں کہیں آپ کو کوئی حکمت ودانش کی بات نظر آئیگی وہ لامحالہ ارض الانبیاء کی خاک میں موجود چمکتے ذرے کا ثبوت ہوگا۔ اب تو مؤرخین اس بات پر متفق ہونے کی طرف مائل ہیں کہ آخر فلسطین اور یونان کے درمیان ایک سمندر ہی تو موجود ہے، کیا اس سمندر کے پار فلسطین کی پاک سرزمین پر آنے والے انبیاء کی آواز افلاطون، ارسطو، فیثاغورث، بطلیموس، جالینوس اور بالخصوص سقراط کے کانوں تک نہیں پہنچتی ہوگی۔ یقیناً پہنچی ہے اور نہ صرف یونان بلکہ یونان سے یورپ اور اس طرح مشرق کی طرف ہندوستان اور ایران وغیرہ تک بھی پھیلی ہے۔ یہاں تک کہ خاتم الانبیاء ﷺ پر حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسی علیہ السلام تک سارے انبیائے کرام کی تعلیمات کا نچوڑ قرآن کریم کی صورت میں نازل ہوا تا کہ قیامت تک انسان کے پاس راہ ہدایت اپنانے کے لئے صاف وشفاف اور واضح وسادہ لائحہ عمل اور ضابطہ حیات کا دستور موجود ہو۔

خاتم النبیینؐ کے جاں نثار صحابہؓ کے شب وروز سعی مسلسل کے طفیل یہ پیغام چار دانگ عالم میں پھیل گیا اور اسی پیغام مقدس کے طفیل عالم اسلام کا ایک اہم اور بڑا ملک پاکستان وجود میں آیا۔ یہی وجہ ہے کہ گذشتہ ساٹھ برسوں میں مختلف عناصر کی مختلف اوقات اور ادوار میں مذموم کوششوں کے باوجود پاکستان کی سرشت سے جسم

میں خون کی طرح سرایت کیئے ہوئے خون کی مانند حب رسول گو کم کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہم سب بے عمل اور سیاہ کار ہیں۔ ہم اپنی انفرادی زندگی میں بھی شریعتِ مطہرہ کی خوشبو سے معطر ہونے میں مکمل طور پر کامیاب نہ ہوسکے۔ ہماری اجتماعی زندگی بھی آپس میں اخوت، محبت، اتحاد و اتفاق نظم وضبط، جو حبِ رسولؐ کے لازمی تقاضے ہیں، سے خالی ہے۔ لیکن اس ساری کم مائیگی کے باوجود میں حیران ہوں کہ حرمت اور ناموسِ رسالت کا معاملہ، جب اور جہاں بھی پیش آیا ہے، مسلمانانِ عالم نے بالعموم اور اہل پاکستان نے بالخصوص اس پر تن من دھن اور سر دھڑ کی بازی لگانے کا اعلان کیا ہے اور آپس کے سارے مسلکی، سیاسی اور دیگر اختلافات بھلا کر ''لبیک یا رسول اللہؐ'' کا نعرہ بلند کیا ہے۔ کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمانان عالم کی بقاء، ترقی اور باوقار زندگی کا دارومدار جناب خاتم النبیینؐ کی شریعت آتشیں کو انفرادی واجتماعی طور پر زیر عمل لانے میں مضمر ہے۔

کیا اس کی نفاذ کے لئے بھی عالم اسلام میں کبھی شٹر ڈاؤن ہڑتال کی جائیگی۔ کیا اتنی عظیم طاقت وتوانائی کو صرف اس وقت بروئے کار لایا جائے گا جب کوئی شاتم آنحضورؐ کی حرمت کے خلاف گستاخی کرے گا۔ کیا اس جذباتی ماحول سے نکل کر کبھی فرزانگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسلام سے اپنی وابستگی میں افراط وتفریط سے بچنے کی بات بھی کریں گے۔ کیا کسی طور پر بھی یہ جائز ہے کہ آسیہ بی بی جس کا معاملہ عدالت میں ہے، ہم اسے پھانسی دینے کا مطالبہ کریں، ہمیں تو اس بات پر زور دینا چاہیئے کہ عدالت میرٹ پر فیصلہ کرے تاکہ قانون کی بالادستی قائم ہوجائے اور کسی کو بھی قانون سے ماوراء اقدام کرنے کی جرأت نہ ہو۔

توہین رسالت ایکٹ میں ترمیم نامنظور بجا، اس کے لئے پرامن احتجاج بجا، لیکن بغیر عدالتی کارروائی کے کسی کے لئے پھانسی کا مطالبہ بھی کیا شریعت کے مطابق صحیح ہے۔

کیا اپنے ہی ملک کے پہلے سے برباد معشت کو مزید برباد کرنے کے لئے شٹر ڈاؤن ہرتال کے سوا کوئی راہ وطریقہ اسلام میں نہیں پایا جاتا۔ کیا ہڑتال اور احتجاج کے آثار سنتِ نبویؐ اور آثارِ صحابہؓ میں کہیں پائے جاتے ہیں۔ اگر کہیں ہیں تو راہنمائی فرمائیں۔

کیا انسانیت کے سارے مسائل کا حل نفاذ شریعت محمدﷺ میں نہیں ہے۔ یقیناً ہے، تو کیا اس کے لئے جذبات سے ماوراء کہیں ٹھوس بنیادوں پر بھی کوئی کام، تحریک، تحقیق اور منصوبہ بندی جاری ہے۔ کیا بڑے

بڑے بینرز اٹھا کر، پوری قوت کے ساتھ حلق کے آخری حصے سے نعرۂ رسالت لگانا اور چند جلسے جلوس منعقد کرنا ہی اس کا حل ہے۔

میں ان سطور کے ذریعے کئی بار پہلے بھی یہ تجویز کر چکا ہوں کہ ''ناموسِ رسالت'' کی تحفظ کے لئے پوری امت مسلمہ کے تعلیمی اداروں میں اس کو بطور مضمون پڑھایا جائے تاکہ عوام کو اس مسئلے کی نزاکت اور احکامات معلوم ہو جائیں۔ اس کے علاوہ ربیع الاول کے مہینے میں ملک بھی میں سیمینارز اور توسیعی لیکچرز کے ذریعے لوگوں میں حبِّ رسولؐ اور مقام رسالت کو صحیح معنوں میں عام کرنے کا سلسلہ جاری کرنا چاہئے۔

عالم اسلام کے علماء اور محققین دنیا کی ہر زبان میں سیرت پاک پر مستند کتب اور کتابچے تنصیف وتالیف کر کے دنیا بھر کی بڑی بڑی لائبریریوں کی زینت بنائیں۔ اسلامی ممالک سیرتِ پاک کی ویب سائیٹس لانچ کر کے اس کے ذریعے مغرب سے اٹھنے والے سوالات کے مدلل جوابات دینے کا بندوبست کیا جائے تو حبِ رسولؐ [عشقِ رسول نہیں] کے صحیح تقاضے پورے ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا کرے گا۔ ورنہ اس کے بغیر بقول شاعر معاملہ وہیں کا وہی رہے گا۔

شرط ایمان مصطفیؐ سے والہانہ پیار ہے پیار لیکن پیروی ہے، پیروی دشوار ہے
پیروی سے عاشقی آسان ہے اور اس لئے جس کو دیکھو اس کا دیوانہ سرِ بازار ہے

☆......☆......☆

پشتو زبان میں تراجمہ وتفاسیر قرآن کریم کا ایک جائزہ

جس طرح عرب قوم کی شجاعت، بہادری، مہمان نوازی، وفاداری اور بعض دیگر اہم انسانی خوبیوں کو اللہ تعالیٰ نے بعثت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلامی تعلیمات کا حصہ بنا کر بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے استعمال کر دیا۔ اسی طرح پشتون قوم کی من حیث القوم قبولیت اسلام کے بعد اسلام نے ان کو انفرادی اور معاشرتی خامیاں دور کرنے کے علاوہ ان کی شجاعت، مہمان نوازی، سخاوت، خوداری، مظلوم کی مدد اور ظالم کے جبر کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہونے کی خوبیوں کو جلا بخشی اور اسلام پشتون قوم کی پوری زندگی پر اس طرح طاری ہوا کہ اسلام اور پشتون ایک دوسرے کے مترادف قرار پائے۔

جس طرح معروف نقاد ڈاکٹر تحسین فراقی نے اردو زبان کے بارے میں لکھا کہ ''اردو مومنہ زبان ہے کیونکہ اردو زبان کی بنیادی آثار حمد ونعت ہے اس طرح پشتو ادب کی پہلی نثر بھی اسلامی ہے اور وہ پشتو توں کے ایک بزرگ بیٹ نیکہ [بیٹ دادا جان] کی وہ دعا ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے پشتون قوم کی آل اولاد کو اسلام پر مستحکم رہنے کی درخواست ہے۔ اسی طرح پھر یہ سلسلہ شیخ عیسیٰ مشوانی سے ہوتا ہوا بایزید انصاری [پیر روشن] ملا ارزانی، مرزا خان انصاری اور اخون درویزہ کی اولاد نے اس سلسلے کو جاری رکھا۔ سلیمان ماکو کی کتاب ''تذکرۃ الاولیاء [۱۷۹۲ھ] جو پشتو زبان میں نثر کی پہلی کتاب مانی جاتی ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ برصغیر پر برطانوی راج سے پہلے پشتونوں کے ہاں علمی اور تعلیمی زبان فارسی تھی۔ پشتو مادری زبان کے طور پر گھروں میں اور پٹھانوں کے درمیان رابطے کی زبان کے طور بولی جاتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ مذہبی مسائل اور امور کو سمجھنے کے لئے پشتو زبان میں لکھے ہوئے کتابچے پڑھے جاتے تھے۔ لیکن چونکہ پشتون ہمیشہ سے مذہب کے دلدادہ ہو رہے ہیں اس لئے وہ قرآن کریم کی معانی، مطالب ومفاہیم سمجھے کے خواہاں تھے۔ اور اس مقصد کے لئے وہ اس زمانے میں عموماً وہ فارسی کی تفسیر، ''تفسیر حسینیؒ'' وغیرہ سے استفادہ کرتے تھے۔

اٹھارھویں اور انیسویں صدی کے نصف اول پشتون قوم بہت بڑی بحرانوں میں مبتلا تھی۔ کہیں قبائلی خانہ جنگی تھی اور کہیں سکھوں کے سیلاب بلاخیز پشتونوں کی جذبہ حریت کو چیلنج کئے ہوئے تھا۔ ان مسلسل جنگی حالات

نے ہمارے علماء اور مذہبی پیشوا ہی سیاسی و جنگی رہنما کے طور پر آ گے ہوتے، جس کے نتیجے میں دشمن کے غلبہ کی صورت میں سب سے زیادہ نقصان ان علماء کا ہوتا۔ انگریز اور سکھوں جیسے کمینہ دشمن ان کے گھروں کو مسمار کرنے کے ساتھ وہاں موجود علمی ذخیرے کو سرمایے کو بھی تباہی و بربادی سے دوچار کرتے۔ ان وجوہات کی بناء انیسویں صدی کے وسط تک پشتو میں متفرق سورتوں کے تراجم کے علاوہ کسی مکمل ترجمہ یا تفسیر کا سراغ نہیں ملتا۔ اس کی ایک دوسری وجہ یہ تھی پشتون قوم نسبتاً زیادہ قدامت پسند تھی قرآن کریم کے بارے میں ان کے ہاں احتیاط اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ وہ اللہ کی کلام کا ترجمہ اپنی زبان میں کرتے ہوئے کمی بیشی سے گھبراتے تھے۔ یہی حال شاید اس زمانے میں عام بھی تھا اور اسی بناء پر شاہ ولی اللہؒ نے جب برصغیر پاک و ہند میں پہلی بار ترجمہ فارسی کیا تو دہلی میں اتنا ہنگامہ ہوا کہ بعض لوگ ان کے قتل کے درپے ہوئے اسی طرح انیسویں صدی میں کوئی عالم فاضل پشتو تفاسیر یا ترجمہ لکھنے کی جرأت کرتا تو نیم ملا قسم کے لوگ کے پیچھے پڑ جاتے۔

انیسویں صدی کے وسط میں جب ہندوستان پر انگریزی عملداری کے تحت ایک منظّم حکومت قائم ہوگئی تو اس کے اثرات پشتونوں کے علاقے پر بھی پڑنے لگے۔ اس سے اگرچہ برصغیر میں فارسی زبان کا اثر و رسوخ کم ہونے لگا لیکن دوسری طرف پرنٹنگ پریس کے آنے سے جگہ جگہ کتب خانے کھل گئے اور ذرائع آمد و رفت کے عام ہونے سے ہندوستان کی طرف پشتونوں کی آمد و رفت بھی بڑھ گئی۔ جس سے اذہان میں مختلف تبدیلیاں وقوع پذیر ہونے لگیں۔ اس سے رفتہ رفتہ لوگوں نے محسوس کرنا شروع کیا کہ قرآن کریم کو اپنی زبان میں سمجھنے کے لئے اس کا ترجمہ و تفسیر ہونی ہی چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو آسانی کے ساتھ سمجھا جا سکے اور پھر رفتہ رفتہ ہمارے پاس قرآن کریم سے متعلق ایک قابل قدر ذخیرہ جمع ہونے لگا۔

الحمدللہ! آج حال یہ ہے کہ پشتو زبان میں قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر پر جتنا ہوا ہے، اتنا کسی اور زبان میں نہیں ہوا ہے۔

یہاں پر پشتو زبان میں متداول اور مشہور تفاسیر کا مختصر تعارف کیا جاتا ہے۔

۱۔ تفسیر یسیر: پشتو زبان میں سب سے پہلی، سب سے زیادہ مستند اور سب سے ضخیم تفسیر ''تفسیر یسیر'' ہے۔ یہ مولانا مراد علی کی کاوشِ خامہ ہے۔ آپ بہت بڑے عالم اور صوفی شاعر تھے۔ آپ عربی زبان، فارسی اور پشتو زبانوں میں نظم اور نثر پر عبور رکھتے تھے اور ان زبانوں کے مایہ ناز ادب بھی تھے۔ آپ نے یہ تفسیر ۱۲۸۲ھ میں

لکھنی شروع کی تھی اور دو سال کے اندر اندر پایۂ تکمیل کو پہنچا دی۔ آپ نے اس تفسیر میں متقدمین اور متاخرین دونوں سے بھرپور استفادہ کیا۔

تفسیر یسیر میں عربی و فارسی زبان کا اثر غالب ہے۔ اس لئے عوام کے لئے اس کا سمجھنا مشکل تھا۔ شاید اسی وجہ سے اس تفسیر کی مختصر حواشی ''تیسیر الیسیر'' اور ''فوق الیسیر'' نام سی منظر عام پر آئی۔ اس کے علاوہ مفسر نے اسرائیلیات سے استفادہ کرنے میں بھی بڑی فراخدلی دکھائی ہے۔

۲۔ مخزن التفاسیر: یہ تفسیر پشاور کے مضافاتی کوچیان کے رہائشی مولانا محمد الیاس کوچیانی کی لکھی ہوئی ہے۔ اس تفسیر میں ''تفسیر یسیر [کی مشکلات اور عربی فارسی کے دقیق اور ثقیل الفاظ اصطلاحات کے برعکس عوام الناس کی تفہیم کے لئے] قرآن کریم کی عربی عبارت کے نتیجے میں لفظی ترجمہ کیا گیا اور تفسیری مسائل کی وضاحت کے لئے حاشیہ استعمال کیا۔ اگرچہ لفظی ترجمہ کا یہ فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ عربی زبان سے شغف رکھنے والوں کے لئے آسانی ہو جاتی ہے لیکن اس سے قرآن کریم کی حلاوت میں کمی آتی ہے۔ یہ تفسیر پشتونوں کے ہاں مختلف وجوہات کی بناء پر قبولِ عام کا درجہ حاصل نہ کر سکا۔

۳۔ مولانا الیاس کوچیانی کے بعد انہی کے علاقے کے ایک مشہور و معروف عالم و فاضل بزرگ مولانا عبدالحق دارمنگی کی تفسیر منظر عام پر آئی۔ آپ کی یہ کاوش عام فہم اور موٹے حروف میں شائع شدہ ترجمہ کی وجہ سے بوڑھے حضرات میں بہت جلد مقبول ہوئی۔ تفسیر حواشی پر دی گئی ہے۔

۴۔ تفسیر حسینی: یہ مولانا محمد حسن کی تفسیر کا پشتو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ کوٹ وارث کے مولانا عبداللہ اور ان کی ایک شاگرد عبدالعزیز عادل گڑھے نے کیا۔ پشاور کے ایک رئیس قاضی محمد حسن جان نے ان حضرات کی سرپرستی کی اور یہ تفسیر حسینی کے نام سے ۱۹۳۰ء میں ممبئی سے شائع ہوئی۔ اس ترجمہ و تفسیر کی زبان بہت عام فہم ہے اس لئے کم پڑھے لوگوں کے کے لئے بہت مفید ثابت ہوا۔

۵۔ تفسیر ودودی: قیامِ پاکستان کے بعد پشتو زبان میں ترجمہ و تفسیر کی ایک اور کاوش تہکال بالا کے مولانا فضل ودود کے قلم سے سامنے آئی۔ آپ نے پہلے پندرہ پاروں کا ترجمہ و تفسیر پہلی دفعہ اس انداز سے کیا کہ ترجمہ کرتے وقت اسے بامحاورہ بنانے کے لئے جگہ جگہ قوسین کا استعمال کیا۔ آپ بعض نجی مصروفیات کی بناء پر اس کو مکمل نہ کر سکے اور بعد میں مردان کے مولانا گل رحیم نے باقی پندرہ پاروں تکمیل کی لیکن دونوں ترجموں

میں فرق صاف ظاہر ہے۔

۶۔ کشاف القرآن: مولانا حافظ محمد ادریس نے وقت کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر اور برصغیر پاک و ہند کے شہرہ آفاق عالم دین مولانا، اشرف علی تھانویؒ کے ترجمہ و تفسیر سے استفادہ کرتے ہوئے کشاف القرآن کے نام ترجمہ و تفسیر نہیں کیا، اس کا زیادہ طرز و انداز ہی جو تھانویؒ کی تفسیر کا ہے۔

۷۔ تفسیر بے نظیر: ایک دلچسپ و عجیب بات یہ ہے کہ ہو قرآن کریم کے آخری در پاروں کی تفسیر ہے اور مفسر کا نام معلوم نہیں۔ اس تفسیر میں آخری پاروں کے عمومی مضامین اور جنت جہنم کی خصوصی منظر کشی کی گئی ہے۔

۸۔ تفسیر الظاہر: مولانا عبدالودود سرحدی نے صرف پہلے پارہ کی تفسیر مکمل ہی کی تھی کے بیمار ہوئے اور باقی کام نہ ہو سکا۔ یہ تفسیر اگر مکمل ہو جاتی تو عوام الناس کے بہت کام آتی کہ اس کی زبان نہایت سلیس اور سادہ تھی۔

۹۔ تفسیرِ افضلیہ: مولانا رکن الدین موسیٰ زئی کی تفسیر ہے۔ چند سال پہلے اشاعت پذیر ہوئی ہے۔

۱۰۔ تفسیر اکوڑہ خٹک: مولانا سید گل بادشاہ نے اس تفسیر کی ابتداء کی تھی لیکن پیری فقیری سلسلے کی بناء پر شاید وقت نہ نکال سکے لہٰذا پہلے جز کی تفسیر ہی ہو سکی۔

۱۱۔ تفسیر کابلی: افانستان کے علماء کی ایک جماعت نے شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانی کا ترجمہ و تفسیر پشتو زبان میں منتقل کیا۔

۱۲۔ افضل التراجم: شیخ القرآن مولانا محمد افضل خان صاحبؒ شاہ پور۔ لفظی ترجمہ اور مختصر تفسیر ہے۔

۱۳۔ فتح الرحمٰن: شیخ مولانا عبدالجبار صاحب باجوڑ کی لکھی ہوئی یہ تفسیر بہت ہی آسان اور مختصر ہے، عوام الناس اس تفسیر بہت استفادہ کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل بعض جزوی اور بعض مکمل تفاسیر بھی پشتو زبان میں عام دستیاب ہیں:

تفہیم القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، مترجم مولانا راحت گل

تفہیم القرآن [مکمل تفسیر]، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، مترجم قیام الدین کشاف۔

تفہیم القرآن [مکمل]، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ترجمہ پروفیسر شفیق الرحمٰن۔

تفسیر فخر الاسلام: مولوی عبدالسلام شید المعروف بہ ملا ہشتنگر۔

یہ تفسیر دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ ۱۶ عربی تفاسر کا خلاصہ ہے۔

مولانا عبدالسلام رستمی نے ایک شاہکار پشتو تفسیر "احسن الکلام" کے نام سے نو جلدوں میں تصنیف فرمائی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر عارف نسیم بھی پشتو زبان میں قرن کریم کی تفسیر لکھ رہے ہیں جس کے بیس پارے مکمل ہو چکے ہیں۔

قرآن پاک انسانیت کے لئے اللہ تعالیٰ کی آخری، مکمل اور جامع ہدایت نام ہے۔ لہٰذا دنیا کی ہر زبان میں قیامت تک اس کے ترجمے اور تفسیریں لکھی جاتی رہیں گی اور پشتو زبان اور پشتون قوم اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ اس خطے میں جناب رسول اللہ ﷺ کے مبارک زمانہ میں یہ مقدس پیغام پہنچا اور پشتونوں نے من حیث القوم اسے قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن عظیم الشان اور سنتِ مبارکہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

؎ کہسار باقی افغان باقی

الملک للہ و الحکم للہ

حواشی

۱۔ تاریخ ادبیات پشتو، پروفیسر محمد نواز طائر، پشتو اکیڈمی، پشاور یونیورسٹی، ص ۸۶۔

۲۔ پشتو پرون، نن او رسبا، اسیر منگل، سلیم بنگش، کتب خانہ قصہ خوانی پشاور، ۲۰۰۶ء، ۲۱۰-۲۱۱

۳۔ پشاور اور تفاسیر، ڈاکٹر محمد دین، شاہکار بک ہاؤس، پشاور، ۱۹۹۷ء۔

۴۔ صوبہ سرحد مذہب کے آئینے میں، مولانا اشرف خان، شیخ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور، ۱۹۸۶ء۔

۵۔ پشتو کی تفسیر اور ان کا مقام، ڈاکٹر محمد شاہد، ایچ ایم کمپنی، لاہور، ۲۰۰۰ء۔

۶۔ شخصیاتِ سرحد، محمد شفیع صابر، میر سنز، پشاور، ۱۹۹۶ء۔

۷۔ پٹھانوں کی اصلیت اور ان کی تاریخ، روشن خان، ناشر نواں کلی، صوابی ۱۹۸۲ء،

۸۔ پشتون تاریخ کی روشنی میں، سید بہادر شاہ ظفر کاکاخیل، یونیورسٹی بک ایجنسی، پشاور، ۲۰۰۴ء۔

☆......☆......☆

قرآن کے سایے میں

رمضان اور قرآن پاک کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔اس لئے کہ قرآن پاک کا نزول رمضان شریف میں شروع ہوا تھا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے "شهر رمضان الّذی أنزل فيه القرآن" رمضان ہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔وہی قرآن جو ساری انسانیت کے لئے رشد وہدایت کا پیغام حق لئے ہوئے ہے۔جس میں فرمایا گیا ہے هُدًى للّناس یہ [سارے] لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس مبارک مہینے میں مسلمانانِ عالم کے گھروں اور مساجد میں قرآن کریم کے سننے اور سنانے، سمجھنے اور سمجھانے کا ایک خوبصورت سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ پاکستان کسی آبادی میں مسجد نہیں ہوگی کیونکہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ جہاں کہیں رہیں وہاں اللہ کے حضور پنج وقتہ نماز کی باجماعت ادائیگی کے لئے مسجد ضرور بنوائیں اور جہاں مسجد ہوگی وہاں قرآن کریم کی تعلیم ضرور ہوگی۔لیکن اس مبارک مہینے میں تو قرآن کریم کے ساتھ مسلمانوں کا ایک خصوصی تعلق تراویح کی نماز میں قائم ہوتا ہے۔یہ وہ تعلق ہے جو اگر مضبوط اور افہام وتفہیم کی بنیادوں پر قائم ہو جائے تو انسانی زندگی میں ایک خاموش انقلاب برپا ہو جائے۔

رمضان المبارک میں پانچ وقت نماز میں قرآن کریم کے ساتھ تعلق کے علاوہ ہر صائم جو قرآن کریم کی تلاوت کر سکتا ہے، کوشش کرتا ہے کہ تراویح میں امامِ مسجد سے سننے کے ساتھ ساتھ خود بھی تلاوت کرتے ہوئے ختم القرآن کی سعادت سے مستفید ہو جائے۔تراویح میں امام مسجد سے قرآن کریم کی تلاوت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے اور پیاسی روح کو اللہ کے جمیل اور ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر کلام سے سیراب کرنے کے لئے مناسب اور بہترین طریقہ یہ ہے کہ امام صاحب رات کو تراویح میں جو پارۂ قرآن کریم سناتا ہے نمازی اس کا ترجمہ اور مختصر تفسیر گھر میں پہلے سے مطالعہ کرلے تو پھر اس کا لطف محسوس کریں۔اس طرح مقتدی امام کے ساتھ ایک ایک آیت میں معنی ومفہوم کے ذریعے جڑ جاتا ہے اور پوری تراویح میں دھیان کہیں اِدھر اُدھر نہیں بھٹکتا۔ رمضان المبارک میں قرآن کریم کے ساتھ یہ ربط قائم ہو جائے تو گویا انسان ''قرآن کے سایے'' کے نیچے آجاتا ہے اور پھر اسے زندگی کے سارے مسائل کی کڑی سے کڑی دھوپ بھی متاثر نہیں کر سکتی۔

رمضان المبارک میں قرآن کریم کے ساتھ تعلق جوڑنے کے ساتھ ساتھ اس بات کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے کہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں ہر مسلمان کی معمولات میں مثبت، خوشگوار اور نیکیوں پر مبنی تبدیلی کا آنا

لازمی ہے۔ اگر کوئی مسلمان اس مہینے میں بھی قرآن کے سایے میں نیکیوں کی فصلِ بہار سے اپنی جھولی بھر نہ سکا تو ذرا تصور کیجئے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی حدیث مبارکہ کے مطابق اس پر کسی طرح لعنت کی گئی ہے۔ یقیناً ایسا شخص بہت بدبخت اور بدقسمت ہے۔

عالمِ اسلام کے مایہ ناز عالمِ دین سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے رمضان المبارک کے بارے میں لکھا تھا کہ ''اگر آپ رمضان المبارک میں مسلمانوں کی کسی بستی پر سے گزریں اور وہاں آپ کو دینی لحاظ سے کوئی غیر معمولی ہلچل نظر نہ آئے تو سمجھو یہ قوم، یہ بستی دین کے باب میں مرچکی ہے۔ رمضان المبارک کا مہینہ تو مسلمانوں کے لئے ایسے ہے جیسے ڈاکٹر ''سکتہ'' کے مریض کے منہ اور ناک کے سامنے آئینہ اس غرض سے رکھتا ہے کہ مریض کی زندگی اور موت کا پتہ چلایا جاسکے۔ اگر آئینے پر ہلکی سی دھندلاہٹ آجائے تو ڈاکٹر مریض کے ابھی زندہ ہونے کا اعلان کرتا ہے ورنہ دوسری صورت میں اسے مردہ قرار دیا جاتا ہے'' یہی رمضان المبارک کے روزوں کی حیثیت ہے کہ اس میں بھی اگر کسی مسلمان میں اسلامی زندگی کی ہلچل پیدا نہ ہوسکی تو سمجھ جانا چاہئے کہ یہ شخص دینی لحاظ سے مردہ ہوچکا ہے۔

رمضان المبارک میں عبادات کی طرف خصوصی توجہ کرنا سنتِ محبوبِ الٰہی ہے لیکن یہ بات بھی یاد رکھنا چاہئے کہ عبادات کی روح خدمتِ خلق میں پوشیدہ ہے۔ لہٰذا اس مبارک مہینے میں صاحبِ حیثیت واستطاعت لوگوں کو چاہئے کہ معاشرے میں غریب غرباء کی ایسی دستگیری کریں کہ وہ لوگ بھی رمضان کے روزے رکھ کر خود ثواب کمانے کے ساتھ ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کے لئے بھی باعث ثواب ثابت ہوں۔

رمضان المبارک میں مسلمان معاشرے پر قرآن پاک کے سایے کا مظاہرہ ایسا ہونا چاہئے کہ ہر آدمی محسوس کرسکے کہ ہم ایک خاص مہینے میں ایک خاص عمل سے گزر رہے ہیں۔ معاشرہ کے ہر طبقے پر اس کا اثر مرتب ہوتا ہوا نظر آنا چاہئے لیکن بعض لوگوں کو اس کا خاص اہتمام کرنا روزوں کا اہم ترین تقاضا ہے ورنہ یاد رکھئے کہ اگر روزوں نے آپ کے معمولات وکردار کو متاثر نہ کیا تو بھوک وپیاس کے سوا آپ کو کچھ نہیں ملے گا۔ اسلامی زندگی میں رزقِ حلال کا حصول تو ویسے بھی عبادت کی قبولیت کے لئے بنیادی شرط ہے لیکن رمضان المبارک کی پُرمشقت عبادت میں بھی اگر رزقِ حلال نہ رہا تو پھر آدھی راتوں کو اٹھنا، نمازیں پڑھنا، تلاوت اور تراویح میں اگلی صف میں جگہ بنانے سے کام بن نہیں سکے گا۔ اس سلسلے میں ملازمین، تاجر حضرات، واپڈا، پولیس، کسٹم وایکسائز اور اس قسم کے دیگر محکموں کے افراد کو اس بات کی طرف خصوصی توجہ دینا ہوگی کہ کم ازکم

اس مبارک مہینہ میں ان مخصوص کاموں سے باز آجائیں جو ان کے ان مبارک روزوں کو قبولیت کی درجہ پر پہنچنے میں رکاوٹ ثابت ہو رہے ہوں۔

رمضان المبارک کے مخصوص اوقات میں ہمارے ہاں کے دکاندار، تجّار وغیرہ لوگوں کی مجبوریوں کا استحصال کرتے ہوئے ناجائز منافع خوری یا ذخیرہ اندوزی کے ذریعے زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ میں اس قسم کے کام ویسے بھی حرام ہیں لیکن رمضان المبارک کے مہینے میں تو ان روزہ داروں کے لئے وبالِ جان ہے کیونکہ اس قسم کی حرام کمائی سے ان کا اور ان کے اہل وعیال کا روزہ قبول نہ ہوگا۔

عوام الناس کے لئے رمضان المبارک کا مختصر نسخہ یہ ہے کہ ہم کم از کم اپنی چوبیس گھنٹے کی زندگی میں اتنی تبدیلی تو ضرور لائیں کہ کوئی ایسا لفظ، کوئی ایسی حرکت، کوئی ایسا کام، جس سے ہمارے روزے کی ثقاہت مجروح ہوتی ہو، ہم سے سرزد نہ ہو۔ روزہ سارے جسم کا ہوتا ہے یہاں تک کہ شعور وخیال کو بھی روزے سے ہونا چاہئے، کوئی مکروہ خیال بھی روزے کے تقدس میں حائل ہوسکتا ہے۔ قرآن کے سایے کا مطلب ہی یہی ہے کہ قرآن کریم کی چودھویں کی چاندنی کی مکمل ہالہ کی طرح اس کی ٹھنڈی چھاؤں ہم پر اس مہینے میں ہر لحاظ سے سایہ کئے رہے اور جب تک ہم اسی سایہ کے نیچے رہنے کی کوشش کریں گے تو ان شاءاللہ ہم اس مبارک مہینے میں زنجیروں میں جکڑے ہوئے شیطان کی حیلہ بازیوں سے محفوظ رہیں گے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ اس مہینے میں نیک اعمال کا جتنا زیادہ بدلہ ومعاوضہ ملتا ہے اسی طرح اس مبارک مہینے میں برے کام کرنے کا نتیجہ بھی عام دنوں سے زیادہ ہوتا ہے۔ لہٰذا کم از کم معیار ہر مسلمان کو یہ تو ضرور رکھنا چاہئے کہ اس مبارک مہینے میں ہر قسم کے بڑے کاموں سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے۔ آخر میں "فی ظلال القرآن" [قرآن کے سایے میں] کی خوبصورت اصطلاح سے عالم اسلام کے اس نابغۂ روزگار شہید عالم کا ذکر مبارک اسی مبارک مہینے میں یاد آیا ہے جسے دنیا سید قطبؒ شہید کے نام سے جانتی ہے جو مصر میں جمال عبد الناصر کے دورِ حکومت میں حکومتی استبداد کی نذر ہوگیا تھا۔

مسلمانوں کی کتنی بدقسمتی ہے کہ ہم اپنے ہی ہاتھوں اپنے کتنے عظیم لوگوں کو اجل کے سپرد کر چکے ہیں۔ ''فی ظلال القرآن'' آپ کی وہ شہرۂ آفاق تفسیر ہے جس کا اردو زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ آپ بھی اس مبارک مہینے میں اس کا مطالعہ کریں۔

☆......☆......☆

رمضان المبارک، روایات وحکایات

لفظ رمضان، رمض سے نکلا ہے جس کے معنی تپش یا حرارت کے ہیں چونکہ روزمرہ میں کھانا پینا بند ہونے کی بناء پر جسم کی درجہ حرارت اور تپش زیادہ محسوس ہوتی ہے اس لئے رمضان کے معنی ''جلانے والا'' کے بھی ہیں۔ اِس لفظ کے معنی میں یہ نکتہ بھی پوشیدہ ہے کہ رمضان المبارک کا مہینہ گناہوں اور برے اعمال کو جلاتا ہے۔

اِس مبارک مہینے کا تاریخی تسلسل یہ ہے کہ اس دنیا کی تخلیق کے بعد انبیاء علیہم اسلام کا سلسلہ شروع ہوا تو انبیاء علیہم السلام اور اُن کے سچے پیروکاروں پر رمضان کے روزے فرض رہے ہیں یہاں تک کہ خاتم النبین ﷺ اور آپ ﷺ کی قیامت تک آنے ولی امت پر بھی سال میں ایک مہینہ یعنی رمضان کے روزے فرض قرار دئے گئے۔

قرآن کریم میں روزوں کی فرضیت کے بارے جو آیت نازل ہوئی ہے اُس میں لفظ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کے الفاظ بہت قابل غور ہیں۔ کُتِبَ کا انگریزی ترجمہ بعض مفسرین نے **Prescribed** کے لفظ سے کیا ہے **Prescription** تشخیص مرض کے بعد ڈاکٹر کے تجویز کردہ نسخہ کو کہا جاتا ہے۔ گویا رمضان المبارک کے روزے اللہ تعالی کی حکیم ذات نے اپنے اُن ماننے والوں کے لئے بطور نسخہ تجویز کئے ہیں جنہیں سال کے گیارہ مہینوں میں مختلف حالات اور موسموں میں دنیا کی مختلف اقوام وملل کے ساتھ رہتے ہوئے مختلف خطرناک اور بعض مہلک ومتعدی امراض لاحق ہونے کے خطرات موجود ہوتے ہیں اور بعض اوقات اللہ کی جماعت یعنی مسلمانوں کو یہ بیماریاں لگ بھی چکی ہوتی ہیں اِس لئے اُن کے تدارک کے لئے ہر سال سارے عاقل بالغ صحت منداور اپنے گھروں میں مقیم مسلمانوں پر رمضان کے فرض روزوں کے ریفریشر کورس، پرہیزی خوراک مخصوص اوقات کی خاص سرگرمیوں میں سے گزار کر اُن ساری آلودگیوں، بیماریوں اور عوارض کا اُس عظیم نسخہ اکسیر سے علاج کرایا جاتا ہے جس کے ذریعے شروع دِن سے اللہ تعالی کے محبوب بندوں کا کامیاب علاج کیا جاتا رہا ہے۔

انسانی تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ دو قسم کی بیماریوں نے اقوام کو اضمحلال اور زوال سے دوچار کیا ہے۔ ایک پیٹ کی بھوک، دوسری جنس کی بھوک۔ پیٹ کی بھوک اتنی گہری، وسیع اور ہمہ گیر بھوک ہے کہ شیطان انسان کو فقر اور بھوک سے ڈرا ڈرا کر ساری دنیا کے وسائل پر قبضہ کرنے پر اُکساتا رہتا ہے اِس کو جدید

زبان توسیع پسندی (Expansionism) کہتے ہیں اِسی توسیع پسندی نے اقوام کو گمنامی اور فنا کے غاروں میں دھکیل کر فنا کیا ہے۔ سکندر اعظم کو یونان سے نکال کر دریائے جہلم کے کنارے پورس سے ٹکرایا۔ روس لینن گراڈ سے گرم پانیوں تک پہنچنے کی لالچ میں افغانستان میں پھنس کر ایسا ڈوب گیا کہ آج سویت یونین کے نام پر دنیا میں کوئی ملک باقی نہ رہا آج کی تاریخ میں امریکہ اِسی توسیع پسندی کی راہ پر گامزن ہے اور اپنے آپ کے ساتھ ایک دنیا کو عذاب میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔

دوسری بھوک ایسی ہے جس نے نبی ﷺ کی بعثت سے قبل بھی اور آج بھی ان خطوں میں جہاں نبی ﷺ کی تعلیمات کو نہیں مانا جاتا ایک دنیا کو راہِ حق سے ہٹا کر انسان کو حیوانیت کی راہ پر ڈال دیا ہے۔

رمضان المبارک کے روزے ان دو شدید اور مہلک بیماریوں کے لئے تیر بہدف علاج ہے۔ انسان روزہ رکھ کر پورا دن جب کچھ کھائے پیئے بغیر رہتا ہے تو اُسے بھوک پر ایک قسم کا کنٹرول حاصل ہو جاتا ہے۔

چونکہ روزہ ایک انفرادی عبادت کے ساتھ ساتھ اجتماعی عبادت بھی ہے لہٰذا اِس کے ذریعے انفرادی بھوک پر قابو کے ساتھ قومی وملکی بھوک پر قابو پانا ممکن اور آسان ہو جاتا ہے۔

روزہ دار جب مغرب کے وقت روزہ کھول کر تھوڑا سا کھا پی کر مطمئن ہو جاتا ہے تو اُسے دوسرے بھوکوں کے احساس کے ساتھ اِس بات کا بھی یقین ہو جاتا ہے کہ انسان کا پاپی پیٹ تھوڑے سے کھانے سے بھر ہی جاتا ہے لہٰذا اِس کے لئے حد سے زیادہ لالچ، حرص وطمع یا دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈال کر اپنے لئے جمع کرنا کسی طور پر بھی جائز نہیں۔ رمضان کے روزوں کے ذریعے انسان کو یہ درس ملتا ہے کہ ایک انسان کی کل ضرورت دو وقت کھانا ہے اور اُس کے بعد دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنا محض سینہ زوری، غصب اور شیطان کے فقر کا نتیجہ تو ہو سکتا ہے لیکن انسانی شرافت کے ساتھ کہیں دور کا واسطہ بھی نہیں رکھتا اسلامی تعلیمات کا نچوڑ یہی تو ہے کہ اسلامی معاشرے میں جو لوگوں کی بنیادی ضروریات سے بچا ہوا ہو وہ لوگوں کو اللہ کی راہ میں محتاجوں، مسکینوں اور بے کسوں میں تقسیم کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کر کے ابدالآباد کی زندگی کو مسرور، مطمئن اور پُر باش بنایا جائے۔

روزہ میں مسلمان وقتی طور پر ان کاموں سے باز آجاتے ہیں جو عام دنوں میں جائز ہوتے ہیں۔ لہٰذا ناجائز کاموں باز آنا تو بدرجۂ اولیٰ ضروری ہے ورنہ بھوک، پیاس کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ شہوانی بھوک کو قابو میں

رکھنے کے لئے روزے سے بڑھ کر کوئی علاج کارگر نہیں۔ نبیﷺ نے ان مسلمانوں کو جونکاح کی استطاعت نہیں رکھتے، روزہ رکھنے کی تلقین فرمائی ہے۔ رمضان میں صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک جائز نفسانی خواہشات سے باز رہنا روزے کا اہم حصہ ہے۔ اور یہ مسلمان کے لئے وہ مشق ہے جو سال کے گیارہ مہینوں میں ناجائز ذرائع شہوانیت سے محفوظ رہنے کے لئے کسی بھی دوسرے ذریعے اور قانون سے زیادہ مؤثر ہے۔

اس کے علاوہ رمضان کے روزے ہمارے عقیدۂ توحید کو مضبوط کرنے کے لئے اہم ترین عبادت ہے۔ روزہ سے بڑھ کر یہ عقیدہ کسی اور عبادت کے ذریعے اتنا مضبوط نہیں ہوتا کیونکہ روزہ صرف اللہ کے خوف اور اللہ سے اس کی جزا کی امید پر رکھا جاسکتا ہے ورنہ لوگوں سے بہت آسانی کے ساتھ روزہ نہ رکھ کر بھی مخفی رہا جاسکتا ہے۔ اسی لئے تو اللہ نے فرمایا ہے۔ ''روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کی جزا دوں گا''۔

دو بڑے بھوکوں سے محفوظ رہنا، غریبوں، بے کسوں، بھوکوں اور محتاجوں کے لئے دل میں درد رکھنا اور اللہ کی رضا کے لئے اپنے وسائل کو ان پر خرچ کرنا روزے کے اصل مقاصد ہیں۔ جس معاشرے میں روزے کے یہ مقاصد معاشرے میں نظر آتے ہیں وہ صحیح معنوں میں اسلامی معاشرہ ہے۔ مجھے یہ بات کہنے میں کوئی باک نہیں کہ پاکستان کے سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور کارخانہ داروں کے دلوں میں روزہ مبارک یا دیگر، اسلامی تعلیمات وعبادات کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا ورنہ عین رمضان سے پہلے ہمارے بازاروں میں چینی کی خصوصی قیمتوں کے ساتھ دیگر روزمرہ کے استعمال کی اشیاء کی قیمتیں یوں شتر بے مہار نہ ہوتیں۔ ان صاحب ثروت لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ ان کا یہ سب ٹھاٹ باٹ انہیں غریبوں کے طفیل ہے اگر ان سے ان کا حق اسی طرح چھینا جاتا رہا ہے تو وہ دن دور نہیں کہ ان کا یہ سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا اور موت کے ہاتھوں نہیں بلکہ ان غریبوں کے ہاتھوں ان کا بنجار الد جائے گا۔

کس نہ گردد در جہاں محتاج کس

نکتۂ شرعِ مبین این است وبس

☆......☆......☆

رمضان، اتحاد ویکجہتی کی علامت

الحمدللہ! پاکستان کی ساٹھ سالہ تاریخ میں پہلی دفعہ چاروں صوبوں بشمول آزاد کشمیر میں پوری قوم ۲ ستمبر ۲۰۰۸ء کو پہلا روزہ رکھنے کی سعادت حاصل کررہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی ساری عبادات نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ مسلمانوں کو اتحاد واتفاق، نظم وضبط اور ایثار وقربانی کا سبق دیتی ہیں۔ اللہ کے گھروں یعنی مساجد میں مسلمان باجماعت نماز میں ایک دوسرے کے شانہ بشانہ کھڑے ہوکر جہاں سماجی ومعاشرتی مساوات کا سبق سیکھتے ہیں وہاں یہ اظہار ہوتا ہے کہ ایک ہی مسجد میں ایک ہی صف میں ایک ہی امام کے پیچھے ایک کعبہ کی طرف منہ کرکے ایک ہی قرآن سنتے ہوئے ایک ہی عظیم پروردگار کے سامنے ایک ہی اللہ اکبر کی صدا پر قیام، رکوع اور سجدے کرتے ہوئے ایک قوم ہیں۔

رمضان المبارک میں مسلمان امت کے درمیان اتحاد ویکجہتی اور اخوت ومحبت کے اتنے درس موجود ہیں کہ اگر ہم صحیح معنوں میں اس پر غور کرکے عمل کرنے کی طرف متوجہ ہوجائیں تو ہمارے آج کے بہت گھمبیر مشکلات چٹکیوں میں حل ہوجائیں۔

میں حیران ہوتا ہوں کہ وہ قوم جو ایک اللہ کی رضا وخوشنودی کے لئے ایک ہی مہینے، ایک ہی وقت میں سحری کے لئے اٹھے اور پورا دن سب لوگ ایک ہی انداز میں کھانے پینے اور دیگر نفسانی خواہشات سے اپنے آپ کو روکے ہوئے ہوں اور پھر غروب آفتاب کے ساتھ ہی ایک ہی وقت میں افطار کے لطف سے لطف اندوز ہوتی ہو۔ وہ کیسے ایک دوسرے کے خلاف نفرت کدورت، غصہ، انتقام، حسد وغیرہ کے جذبات رکھ سکتے ہیں۔

رمضان کی عظیم عبادت کا تو خلاصہ ہی یہ ہے کہ ہم جس پروردگار کے حکم پر پورا دن اپنے جائز خواہشات کی تکمیل سے اپنے آپ کو روک سکتے ہیں تو پھر دوسرے انسان کو نقصان پہنچانے یا اس کے خلاف سوچنے کا ناجائز تصور کیسے کرسکتے ہیں۔ یقیناً ہماری عبادت کے تصور اور یقین میں کہیں بہت بڑی جھول موجود ہے۔

اسی طرح حج کی عظیم عبادت تو دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک خانہ کعبہ کی اطرف ایک ہی لباس میں کھینچ کر اور اپنی اپنی مادری زبانوں کو بھول کر ایک ہی زبان میں ایک ہی پروردگار کے عظیم دربار میں حاضری دینے کے لئے لبّیك اللّٰھم لبیك کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دنیا کے ستاون اسلامی

ممالک کے مسلمانوں کے درمیان ایک اللہ، ایک رسول [خاتم النبیین ﷺ] ایک قرآن اور ایک کعبہ کے باوجود وہ اتحاد پیدا نہ ہوسکا جو اسلامی عقائد اور عبادات کو مطلوب ہے بلکہ مملکتِ خداداد میں جو اسلام ہی کے نام پر وجود میں آیا تھا، انہیں عبادات کو وجہ نزاع بنایا گیا اور ڈھیڑ ڈھیڑ اینٹ کی مساجد بنا کر ہر گروہ، طبقہ اور جماعت و پارٹی اپنے اپنے محراب میں محصور و بند ہو کر دین کی اپنی اپنی تعبیر و تشریح دوسروں پر بزور ٹھونسنے یا مسلط کرنے کی کوشش کے ذریعے امت کی انتشار و افتراق کا سبب بنتے رہے ہیں اور شوخ لوگ محرابوں پر لکھتے رہ گئے ؎

یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقتِ قیام آیا

اسلام دین رحمت ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ "الدّین یُسرٌ" [دین آسان ہے] لیکن ہم نے اس کو اتنا مشکل بنا دیا ہے کہ اس کی بنیاد پر ایک دوسرے کے ساتھ دست بہ گریباں ہیں۔ حالانکہ اسلام میں تو ایک چیونٹی کو بھی بے جا ضرر پہنچانا منع ہے۔

بہرحال بات، پاکستان میں پہلی دفعہ ایک ساتھ روزہ رکھنے کی ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پاکستان کے مسلمانوں پر یقیناً ایک رحمت ہے کہ ہم ان شاء اللہ ایک ساتھ رمضان المبارک کے روزے رکھ کر ان کے خوشگوار اثرات کے تحت ایک قوم کی طرح عمل کر کے اپنے اختلافات بھول کر وطنِ عزیز کی تعمیر و ترقی کی طرف توجہ کرنے کی راہ پر گامزن ہونے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ اس مبارک و مقدس ماہ کے روزوں اور قرآن عظیم الشان کی بابرکت تعلیمات کے طفیل پاکستان پر رحمتوں کی بارشیں ہوں گی۔

اس بابرکت مہینے کا اثر ہے کہ حکومت پاکستان نے باجوڑ وغیرہ میں اپریشن روکنے کا عندیہ دیا ہے اگر واقعی ایسا ہوا تو دوسرے فریق پر بھی فرض عائد ہوتا ہے کہ اس مقدس مہینے کی خاطر اور عوامِ پاکستان کی تکالیف، مشکلات اور مصائب کو مدنظر رکھ کر اپنی قوم، اپنی فوج اور اپنے ملک کے خلاف لڑنا بند کر دیں اور حکومت کو بھی چاہئے کہ رمضان المبارک کے پہلے عشرے سے جس میں اللہ تعالیٰ روزہ داروں پر بے پایاں رحمتوں کا نزول کرتا ہے، فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے لوگوں کو اپنے قریب لا کر مذاکرات کی میز پر ان کی شکایات کا ازالہ کر کے وسیع تر قومی دھارے میں شامل کر لیں۔ اس طرح ہم سب رمضان المبارک کی رحمتوں، مغفرتوں اور جہنم کی آگ سے نجات حاصل کرنے کا موقع حاصل کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کے عہدیداران مبارک باد کے مستحق ہیں کہ قوم کو پہلی دفعہ دینی

بنیادوں پر اتحاد و اتفاق کا موقع فراہم کیا۔ ہم بجا طور پر ان سطور کے ذریعے عوام الناس کی یہ خواہش اور اپیل مقتدر طبقات اور مذہبی رہنماؤں، علماء اور رؤیتِ ہلال کمیٹی کے عہدیداروں کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں کہ اس سال کے دوران علماء و فقہاء، ماہرین فلکیات و موسمیات اور سائنسدانوں اور جغرافیہ دانوں کی تحقیقات کے ذریعے اس جانب پیش رفت جاری رکھی جائے کہ اگلے سال پورے عالم اسلام کا ایک ہی تاریخ کو روزہ ہو، اگر امریکہ، انگلینڈ، افریقہ اور افغانستان و ہندوستان کا مسلمان سعودی عرب کی رؤیت ہلال کے اعلانِ رمضان پر روزہ رکھ سکتے ہیں تو آخر مملکتِ خداداد کے باشندے جو سعودی عرب کے ساتھ دنیا بھر کے مسلمانوں سے زیادہ محبت وعقیدت رکھتے ہیں، کیونکر ان کے اعلان پر روزہ نہیں رکھ سکتے۔

فقہاء کے درمیان اس بات پر کوئی اختلاف نہیں کہ جن ممالک کے مطالع کا آپس میں اشتراک موجود ہو وہ ایک ہی دن روزہ رکھ سکتے ہیں۔ اس حوالے سے مصر میں جامعۂ ازہر میں شاید ۱۹۷۵ء میں عالم اسلام کے علماء کی ایک کانفرنس بھی ہوئی تھی جس میں پاکستان سے مفتی محمودؒ کے ساتھ کئی دیگر علماء بھی شریک ہوئے تھے اور اس کانفرنس کا نچوڑ یہی سامنے آیا تھا کہ عالم اسلام کے اتحاد کے لئے ضروری ہے کہ ان کا روزہ اور عیدین ایک ہی دن ہوں۔

عجیب بات تو یہ ہے کہ اس دفعہ جہاں اس بات کی خوشی ہے کہ پورے پاکستان میں ایک ہی دن روزے کا اعلان ہوا، دوسری طرف آج یعنی یکم ستمبر کو عالمِ اسلام میں پاکستان شاید واحد ملک تھا جہاں روزہ نہیں تھا، پھر اس بات کا بھی ذرا اندازہ لگائیں کہ ہم حج تو سعودی عرب کے حساب سے کرتے ہیں جبکہ رمضان اور عیدالفطر اپنے حساب سے مناتے ہیں۔ حالانکہ یوم عرفہ کا قیام جو رکن حج ہے، اس لحاظ سے مختلف ہوگا۔ اس حوالے سے شاید پچھلے سال عیدالاضحیٰ کے موقع پر تیسرے دن کی قربانیوں کے حوالے سے بہت سے فقہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ عالم اسلام کے ایک اہم ملک کی حیثیت سے پاکستان دیگر بہت سارے اسلامی ممالک کی طرح سعودی عرب جو مرکزِ اسلام ہے کے ساتھ اپنا روزہ اور عیدین منتھی کرلیں۔ اس سے جہاں مسلمانوں کو آسانی ملے گی وہاں عقیدت ومؤدت میں اضافے کا سبب بھی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایک اور نیک ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور مملکتِ خداداد کی مشکلات کو اس بابرکت مہینہ کے طفیل ختم کر کے محفوظ وسلامت رکھے۔ آمین

☆......☆......☆

فلسفۂ حج اور اسلامی معاشرے پر اس کے اثرات

۱۔ فرضیتِ حج۔ قرآن وسنت کی روشنی میں۔

۲۔ حج۔ بدنی اور مالی عبادات کی وجہ سے جامع العبادات۔

۳۔ حج۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے مہمان کی حیثیت حاصل ہونا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان راز و نیاز و بندگی کے اظہار کا بے مثال موقع۔

۵۔ حاجی کو گناہ اور معاصی سے نجات کے بعد نئی زندگی کی ابتداء کرنے کا موقع۔

۶۔ اتحادِ امت اور مسلمان معاشرے کی بھلائی کے لئے خدمات کا موقع۔

۷۔ نسلی، جغرافیائی، لسانی، اور دیگر امتیازات اور تعصّبات سے نجات حاصل کرنے کا موقع۔

۸۔ انبیاء علیہم السلام اور خاتم النبیین ﷺ کے تبرکات و آثار کی زیارت کا موقع۔

۹۔ مناسکِ حج کے ذریعے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور خاتم النبیینؐ کی سنت کی احیاء کے ذریعے دنیا کو امن، سلامتی اور بقائے باہمی کا پیغام دینا۔

۱۰۔ حج۔ احترامِ آدمیت اور مساواتِ انسانیت کا عملی درس۔

☆......☆......☆